عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ
ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ / جنوری و فروری ۲۰۱۴ء

زیر سرپرستی : مولانا پروفیسر ڈاکٹر سید سعید اللہ دامت برکاتہم

بانی : ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)

مجلس مشاورت : حاجی شیر حسن صاحب، مفتی آفتاب عالم، مولانا محمد امین دوست
مولانا محمد طفیل، قاضی فضل واحد، مولانا طارق علی شاہ بخاری

مدیر مسئول : ثاقب علی خان

مجلسِ ادارت : ڈاکٹر محمد طارق، محمد الطاف حسین، حافظ عماد الحق، ظہور الٰہی فاروقی

Reg No. P476

جلد: دوازدھم

شمارہ: 5,6

فہرست

فی شمارہ : -/15روپے

سالانہ بدل اشتراک : -/200 روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل : physiologist72@hotmail.com

saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org.pk

مذاکرات یا کُشت و خون

(اداریہ)

اسلامی تاریخ میں پہلی کامیاب سازش عبداللہ بن سباء کی ہے۔ یہ شخص سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں بظاہر یہودی سے مسلمان ہوا اور مدینہ منوّرہ میں مقیم ہو کر اپنی سازش کی ابتدا کر دی۔ صحابہ کرام کا دینی فہم اتنا پختہ تھا اور عملی لحاظ سے وہ اتنے مخلص تھے کہ ایک دوسرے کے خلاف بدگمانی پیدا کر کے ان کو گروہوں میں تقسیم کرنا بہت مشکل تھا۔ اس آدمی نے حکومت کے انتظامی امور پر ہونے والے مشوروں کو اپنا نشانہ (Target) بنا کر اختلاف ڈالنے کی کوشش کی۔ یہ تو کامیاب نہ ہو سکا لیکن اس کی اس حرکت کی عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آگے شکایت کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو مدینہ بدر کر دیا۔ یہ ملک شام جا پہنچا اور یہی کام اس نے ملک شام میں شروع کر دیا جس کے والی (Governer) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کی سازش ان کی فراست کے آگے ناکام ہوئی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے صوبے سے نکال باہر کیا۔ یہاں سے یہ مصر کے دور دراز صوبے میں چلا گیا۔ اتنے عرصہ میں صحابہ کرام کی تعداد بھی کم ہو گئی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی وفات پا گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت شروع ہوا۔ مصر کے گورنر عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سبکدوش کر دئے گئے۔ ان کی جگہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک نوعمر رشتہ دار عبداللہ بن ابی سرح کو گورنر بنا دیا گیا۔ اس بات کو عبداللہ بن سباء نے نوعمر لوگوں میں خوب اُچھالا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی انتظامی پالیسیوں کے خلاف ایک منظّم گروہ بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ حالات یہاں تک پہنچ گئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیٹا محمد بن ابوبکر بھی اس گروہ میں شامل ہو گیا۔ انہی لوگوں کے ہاتھوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔

توحید کی انتہائی شدت پسند ترتیب پر ڈال کر عبداللہ بن سباء نے اس گروہ کو نظریاتی طور پر منظّم کر کے پورے ایک فرقے کی شکل دے دی۔ حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سیاسی اختلاف کے دوران ان لوگوں نے شدت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے آ کر کام کیا اور ان لڑائیوں کو گرم کرنے میں اہم

کردار انہی لوگوں کا تھا۔ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صلح ہوگئی تو یہ لوگ احتجاج کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علیحدہ ہوگئے کہ ان کا یہ فیصلہ شریعت کے مطابق نہیں ہے۔ یہ بارہ ہزار کی تعداد میں تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے اور مرنے مارنے کے لئے تیار ہو گئے۔

ان لوگوں سے مذاکرات کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجا جن کی تفسیر کی بڑی مہارت تھی اور اس کے لئے حضور ﷺ نے خاص دعا فرمائی تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو بغاوت سے روکنے کے لئے مذاکرات شروع کئے اور ان میں سے چار ہزار کو اس بات پر قائل کرلیا کہ ان کا مؤقف درست نہیں اور وہ توبہ تائب ہوکر واپس ہوئے۔ پھر مذاکرات کیے یہاں تک کہ مزید چار ہزار اپنے مؤقف سے تو نہیں ہٹے بہرحال اس بات پر آمادہ ہوگئے کہ اس بات پر قتال جائز نہیں لہٰذا وہ بھی فساد چھوڑ کر واپس ہو گئے۔ باقی چار ہزار یعنی ایک تہائی میدانِ جنگ میں منظّم ہوئے اور ان سے بامرِ مجبوری حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتال کرنا پڑا۔ نہروان میں شدید جنگ ہوئی اور اس کے نتیجے میں خارجیوں کی کمر ٹوٹی اُن کا خاتمہ ہوا۔

حضرت علیؓ نے کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ نہروان میں فسادی لوگ جمع ہوں گے اور میری اُمت کا افضل طبقہ اُن کے خلاف جہاد کرے گا اور اُن کا خاتمہ کرے گا۔ اُن میں ایک آدمی ذوالثدیہ لُنجا ان میں ہوگا۔ (لُنجا یعنی اُس کا ایک بازو نہیں ہوگا) اُس کے بازو کی جگہ پر گوشت کا بہت بڑا ٹکڑا ہوگا، اُس کو جب کھینچیں گے تو اتنا لمبا ہو جائے گا جتنا بازو ہوتا ہے اور چھوڑیں گے تو پھر اپنی جگہ پر آجائے گا۔ جب لاشیں گر چکیں تو آپؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر گئے اور کہا اس میں سے ذوالثدیہ لُنجے کو نکالو۔ انہوں نے کہا نہیں ملا۔ آپؓ نے فرمایا کہ یہ نہروان ہے کہ نہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ پھر آدمی ضرور ہوگا کیونکہ ایسے تو نہیں ہوسکتا کہ علی نے فساد کیا ہو اور خواہ مخواہ لوگوں کو قتل کیا ہو۔ حضور ﷺ کے فرمانے کے بغیر قتل کیا ہو۔ آپ نے کہا پھر ڈھونڈو مگر پھر بھی نہیں نکلا۔ کہا پھر ڈھونڈو تو تیسری بار ڈھونڈنے سے لاشوں کے نیچے سے نکلا۔ واقعی اُس کا ایک ہاتھ لُنجا تھا کہ اس کو کھینچا تو بازو کے برابر لمبا ہوگیا اور اُس کو جب چھوڑا تو اپنی جگہ پر چلا گیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا الحمدللہ! حضور ﷺ کے فرمانے کے مطابق میں نے خارجیوں کے فتنے کا خاتمہ کردیا۔

بیان کوہاٹ خانقاہ

(حضرت ڈاکٹر حاجی فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلیٰ رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِااللّٰہِ مِنَ الْشَّیْطٰنِ الْرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الْرَحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِنَّ الّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰئِکَۃُ اَلَّا تخافوا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْن. نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُ کُمْ فِیْ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِیْ الْاٰ خِرَۃِ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْن. نُزُلاً مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ. وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًامِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ. وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ. اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَاالَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ. وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّاالَّذِیْنَ صَبَرُوْا.وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْ حِظٍّ عَظِیْمٍ. وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ. صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم.

رب اشرح لی صدری ویسّر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی.

حضرت مولانا صاحب نے یہ آیتیں تلاوت کیں تو دل میں آیا کہ انہیں کے تحت کچھ عرض کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ

یعنی بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ یعنی دین میں آ گئے۔

تو پہلے دین کی تعلیم میں الفاظ سیکھنا ہے، پھر معانی کا علم حاصل کرنا ہے اور پھر اس علم کو برتنا اور عمل میں لانا ہے، تب دین کی ترتیب مکمل ہوتی ہے۔ مولوی صاحب! دین صرف الفاظ ومعانی کے سیکھنے اور فارغ ہونے کا نام نہیں بلکہ الفاظ ومعانی کا علم سیکھنے کے بعد عمل کی ترتیب سے گزرنے اور برتنے کا نام ہے۔ اس لئے فرمایا کہ دین کا علم تو آ گیا لیکن ''استقامت فی الدین''، پھر اس پر استقامت کے ساتھ عمل حاصل ہو اور اس کو برتا جائے تو تب بات مکمل ہوتی ہے، یہاں

'ثم' استعمال ہوا ہے جو عربی گرامر میں ''تراخی'' کے لئے آتا ہے، یعنی کسی شئی کا کچھ وقت گزرنے کے بعد حاصل ہونا، اس سے واضح ہوا کہ ''استقامت فی الدین'' اور دین کو برتنے کی جدوجہد وقت چاہتی ہے، کوشش چاہتی ہے اور اس میں محنتیں لگتی ہیں۔ ہمارے اسلاف اس بات کو حاصل کرنے کے لئے بارہ بارہ سال لگایا کرتے تھے۔اس کے بعد تتنزل علیھم ا لملا ئکۃ والی بات حاصل ہوتی ہے، ان پر فرشتے اترتے ہیں اور انہیں کہتے ہیں کہ الّا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون ۔کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو، کیونکہ آگے تمھارے لئے نعمتیں ہی نعمتیں ہیں اور تمہیں اس جنت کی خوشخبری ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ نحن اولیاء کم فی الحیوٰۃ الدنیا و فی الاخرۃ یعنی ہم دنیا اور آخرت میں تمہارے ساتھی رہیں گے، ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھاما تدعون اور جنت میں تمہارے لیے من چاہی اور منہ مانگی چیزیں ہیں اور مانگنے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی بلکہ یہ نزلا من غفور رحیم یعنی اللہ غفور رحیم کی طرف سے بطور مہمانی ہوں گی۔

ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ و عمل صالحا وقال اننی من المسلمین اور اس سے بہتر کس شخص کی بات ہو سکتی ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے اور خود بھی نیک عمل کرے اور اطاعت کے اظہار کے لیے کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ ولا تستوی الحسنتہ و لا السیہ اور نیکی اور برائی برابر نہیں بلکہ ہر ایک کا اثر جدا ہے۔ادفع بالتی ھی احسن آپ نیکی کے ذریعے برائی کو مٹائیں۔فاذاالذی بینک وبینہ عداوۃ کا نہ ولی حمیم اس وقت تیرا جانی دشمن تیرا جگری دوست بن جائے گا۔وما یلقھاالا الذین صبروا وما یلقھا ا لاذوحظ عظیم اور یہ نیکی کے ذریعے بدی کو مٹانے کا حوصلہ اور بات تو بڑے ہی صبر والوں اور بڑے ہی نصیبہ وروں کو ملتی ہے۔واما ینزغنک من الشیطا ن نزغ فاستعذبا للہ اور اگر اس جذبے پر عمل کرنے میں شیطان رکاوٹ پیدا کرے تو اللہ کی پناہ

حاصل کریں۔انہ ھوالسمیع العلیم اوراسکی پناہ حاصل کرنے کا مطلب ہے کہ وہ سننے والا ہے۔تیرے پناہ مانگنے کو سنے گااور جاننے والا ہے۔تجھے شیطان کی رکاوٹوں سے نجات دے گا۔

ابھی تبلیغی جماعت کی تحریک کی بات ہورہی تھی۔میرے بھائی!مولانا الیاس رحمتہ اللہ علیہ نے اس کام کو اپنی اصلاح کی ترتیب پر جاری کیا تاکہ اپنے آپ کو بنایا جائے۔اس میں بننا اصل ہے۔نکلنا بننے کے لیے وسیلہ اور ذریعہ ہے۔اگر تبلیغی کارکن نے لوگوں کو دلائل اور باتوں سے متاثر کر کے جماعت میں نکالنے کی مہارت حاصل کر لی لیکن خود نہ بن سکا تو گایا کچھ حاصل نہ ہوا۔ اور یہ جو سیاسیوں کے جلسے جلوس ہیں یہ آخرت والی ترتیب نہیں ہے۔ یہ سیاسیوں کی سیٹ ایڈجسٹمنٹ، سیاسیوں کے اتحاد، یہ آخرت والی ترتیب نہیں ہے۔یہ سیاسیوں کی سیٹ ایڈجسٹمنٹ، سیاسیوں کے اتحاد، یہ آخرت والی ترتیب نہیں ہے۔یہ سیاسیوں کی سیٹ ایڈجسٹمنٹ، سیاسیوں کے اتحاد، یہ آخرت والی ترتیب نہیں ہے۔بعض باتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین دفعہ اور بعض کو سات دفعہ فرمایا کرتے تھے۔چار دفعہ میں کہہ چکا ہوں۔

یہ سیاسیوں کی سیٹ ایڈجسٹمنٹ، سیاسیوں کے اتحاد، یہ آخرت والی ترتیب نہیں ہے۔ یہ سیاسیوں کی سیٹ ایڈجسٹمنٹ، سیاسیوں کے اتحاد، یہ آخرت والی ترتیب نہیں ہے۔یہ سیاسیوں کی سیٹ ایڈجسٹمنٹ، سیاسیوں کے اتحاد، یہ آخرت والی ترتیب نہیں ہے۔اس بات کو مجھے سات بار کہنا پڑا!

جماعت میں نکلنے والا ہمیشہ یہ نیت کر کے نکلے کہ میں خود سیکھنے جارہا ہوں، میں خود اپنی اصلاح کے لئے جارہا ہوں، میں اپنی اصلاح کے لیے کتاب پڑھوں گا، میں اپنی اصلاح کے لیے بیان کروں گا، میں اپنی اصلاح کے لے گشت کروں گا تاکہ اس سے میرا نفس اپنے رذائل کی جانب متوجہ ہو، میرا دل متوجہ ہو، میرے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو اور میں علم کے مطابق عمل کروں۔

ہمارے سلسلہ کا نام چشتیہ صابریہ ہے۔ساتویں صدی سے سلسلوں کے نام چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، شاذلیہ، کبرویہ ہوگئے۔ان میں سے چار سلاسل ہمارے علاقوں میں چلے ہیں

اور شاذلیہ اور کبرویہ عرب دنیا اور افریقہ میں چلے ہیں۔ سلسلہ چشتیہ میں خواجہ اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے بعد ان کے خلیفہ بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ ہوئے اور ان کے خلیفہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ ہوئے ہیں اور بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے دو مشہور خلیفہ ہوتے ہیں۔ علاؤالدین علی احمد صابر کلیری رحمتہ اللہ علیہ اور نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ۔ علاؤالدین علی احمد صابر کلیری رحمتہ اللہ علیہ حضرت بابا فرید الدینؒ کے بھانجے ہیں اور بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی ایک شادی سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی سے ہوئی تھی جو ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ یہ بنیادی طور پر افغانستان کے شہر ہرات کے رہنے والے تھے۔ ان کی بہن کو پتہ چلا کہ میرے بھائی بڑے کامل بزرگ ہیں اور ان کی بہت بڑی خانقاہ ہے اور بہت سے لوگ ان کے مرید ہیں تو وہ بھی اپنے بیٹے کو لے کر بھائی کے پاس آئیں کہ اس کو ان کے حوالے کروں گی تاکہ اس کو دین سکھائیں، تقوٰی سکھائیں اور ان کو اپنی طرح بنائیں۔ بہن نے کہا کہ علاؤالدین کو میں نے آپ کے حوالے کیا اور آپ اس کو علم وعمل سکھائیں۔ انہوں نے کہا علاؤالدین نوعمر لڑکا ہے ابھی کھائے پیئے آرام کرے، کچھ صحت و جان بنے، پھر مجاہدات و ریاضت میں ڈالیں گے۔ پہلے پچیس سال تو جان بنتی ہے، آدمی ظاہری علم، ظاہری ہنر سیکھتا ہے، طالب علم دین سیکھتے ہیں، ہماری طرح لوگ ہنر سیکھتے ہیں تاکہ اپنے لئے روزی کمائیں۔ تو ہڈیاں بڑھتی اور مضبوط ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحبان موجود ہیں۔ انسانی بدن کی ہڈیاں پچیس سال تک بڑھتی رہتی ہیں بشرطیکہ وہ جنسی گندگی میں مبتلا نہ ہو۔ جب گندگی میں مبتلا ہوتا ہے تو ہڈیاں بڑھنا رک جاتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحبان کو پتہ ہے کہ جب آدمی جنسی طور پر بیدار ہو گیا تو ہڈیاں بڑھنا رک گئیں۔ خیر انہوں نے کہا یہ نوجوان لڑکا ہے، کھائے پیئے آرام کرے پھر مجاہدات کروائیں گے اس سے۔ لہٰذا انہوں نے کہا کہ برخوردار تم لنگر کی خدمت کیا کرو۔ تاکہ خود کھائے اور پیئے اور لوگوں کو کھلائے۔ وقت گزر تا گیا گزرتا گیا گزرتا گیا بڑی جگہوں بڑی خانقاہوں اور بڑے حضرات کی مصروفیات اتنی ہوتی ہیں کہ زیادہ توجہ کسی چیز کو نہیں دے سکتے اس لئے ہمارے ساتھ بیویاں لڑتی رہتی ہیں گھر کا کوئی پتہ

نہیں، یہ کام نہیں کیا، وہ کام نہیں کیا۔ ابھی بھی میں نے فون کھولا تو گھر سے فون آ رہا تھا۔ اُنھیں اس سے کیا غرض کہ یہ تقریر کر رہا ہے۔ مصروفیت اتنی ہوتی ہے کہ ہمارے حضرت جی مولانا یوسف رحمتہ اللہ علیہ جو حضرت مولانا الیاس رحمتہ اللہ علیہ کے صاجزادے بھی ہیں اور تبلیغی جماعت کے دوسرے امیر ہیں، میں وہاں نظام الدین کی مسجد میں رہا مسجد کے اندر کھڑکی ہے جس کے ساتھ متصل کمرہ ہے جس میں پہلے مولانا الیاس رحمتہ اللہ علیہ رہا کرتا تھے پھر حضرت جی مولانا یوسف رحمتہ اللہ علیہ رہنے لگے۔ پھر اس کمرے کے ساتھ کھڑکی ہے اور اس سے آگے گھر ہے۔ حضرت جی مولانا یوسف رحمتہ اللہ علیہ کو بیس بیس دن تک اتنا وقت نہیں ملتا تھا کہ کھڑکی کھول کر اندر گھر چلے جائیں، اتنی مصروفیت رہا کرتی تھی اور یہ کوئی دکان کی مصروفیت نہیں تھی کہ بکری کا موسم ہے اور آدمی کھڑا ہے، کمر ٹوٹ رہی ہے۔ یا کاشت کا موسم ہے اور زمیندار کھڑا ہے۔ دین کا کام اللہ کی رضا کے کام کی مصروفیت تھی۔

بیوی ان کی مولانا زکریا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی بیٹی تھی اور نام اس کا شاکرہ تھا اور ٹی بی کی مریضہ۔ علاج معالجہ ہو رہا تھا لیکن حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کو اتنا وقت بھی نہیں ملتا تھا کہ عیادت کے لئے جاسکیں۔ آخر لوگوں نے بتایا کہ بیماری اتنی بڑھ گئی ہے کہ اب بچنے کی امید نہیں رہی۔ ان کو بڑا افسوس ہوا۔ انہوں نے ایک عورت کو بھیجا کہ تو جا اس کے سامنے میرے خلاف بات کہہ کہ یہ کیا مولوی ہے، تیرا کوئی خیال نہیں رکھتا، تو اتنی بیمار ہے، تاکہ پتا چلے کہ مجھ سے ناراض تو نہیں، کوئی گلہ تو نہیں، کوئی شکوہ شکایت تو نہیں۔ کیونکہ جب بچنے کے حالات نہیں رہے تو میں معافی اور عفو و درگزر وغیرہ کراؤں اور اپنی آخرت کے حوالے سے اس مسئلہ کو درست کروں۔ اس خاتون نے جاکر جب ان کے سامنے اسطرح گفتگو کی کہ یہ کیسے دین کے کام میں مصروف ہیں کہ تیرا کوئی خیال ہی نہیں رکھتے، تیرے پوچھنے کیلئے بھی نہیں آتے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں وہ دین کے کام میں مصروف ہیں اس وجہ سے وہ میرے پاس نہیں آ رہے۔ اگر وہ اپنی مصروفیات کی بناء پر تشریف نہیں لاتے تو مجھے

کوئی گلہ نہیں۔اس سے حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کو تسلی ہوگئی کہ وہ ناراض نہیں ہیں۔ پھرانہوں نے نماز پڑھتے ہوئے جب سجدہ کیا تو سجدہ میں ہی جان دے دی۔

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تو میرے بھائی! تو دنیا میں اپنے آپ کو مصروف کرتا ہے، تیری کمر میں درد ہوتا ہے، ٹانگیں تیری دکھ رہی ہوتی ہیں، اس پر کاروبار کا اعتماد بنایا ہوا ہوتا ہے اور تو خوش ہوتا ہے۔اللہ والے اس سے زیادہ جان توڑ کر دین کا کام کرتے ہیں۔

ہمارے ایک بزرگ مولانا عبدالغفور مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ کی مدینہ میں نقشبندیہ سلسلہ کی خانقاہ تھی۔سعودی سلاسل کے سخت ترین مخالف ہونے کے باوجود ان کی اتنی قدر کیا کرتے تھے کہ ان کو 'شیخ الدراویش' فقرا اور درویشوں کے شیخ کے نام سے پکارتے تھے۔فرماتے ہیں کہ رات کو کوئی حاجی کبھی بارہ بجے جا بھٹکتا کبھی دو بجے جا بھٹکتا، جب دروازہ بجاتا، کبھی ایک بجے کبھی دو بجے تو یہ کہتے کہ او ہو بے چارے کو بڑی تکلیف ہوئی، پھر اسے لاتے، اس کے بعد کھانے کا بندوبست کرتے، آرام کا بندوبست کرتے۔ہمارے زمانے کے جو سلسلے چلانے والے ہیں اگر ان کے پاس کوئی ایسے وقت میں جائے تو ڈانٹ پڑ جاتی ہے کہ یہ کیا میرے ملنے کا وقت ہے؟ میں نے لکھا ہوا نہیں ہے؟ میرے آرام کا کوئی خیال نہیں؟ ہاں بھئی! اللہ والوں نے تو اس معاملے میں اپنے آپ کو پیش کیا ہوتا ہے، اپنی ساری خواہشوں کو، اپنی راحت و آرام کو قربان کیا ہوا ہوتا ہے۔مولوی صاحب! ساری رات تہجد پڑھنا آسان ہے لیکن ایک گھنٹی پر بے وقت اٹھنا اور اپنے نفس کو قابو میں رکھنا! یہ بڑا مجاہدہ ہے۔ہم فقراء اپنے مرید کی ان باتوں کو دیکھتے رہا کرتے ہیں۔ذکر و اذکار کی پابندی کر رہا ہے، تہجد کی پابندی کر رہا ہے، ٹھیک ہے یہ تو ہوگیا ماشاء اللہ۔لیکن جس بات کو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بنا ہے کہ نہیں بنا وہ تو امتحانوں کے بعد پتہ چلتا ہے۔ہمارے یہاں پر ایک پروفیسر صاحب

تھے۔ کچھ لوگوں کو میں نے بیعت کی اجازت دے دی تو انہوں نے گلے شکوے کئے۔ ہمارے سلاسل میں گلے شکوے چلتے رہتے ہیں۔ میں نے کہا میں کیا کروں؟ میرا ایک مُرید، سائل، حاجت منداس کے دروازے پر گیا اور یہ گھر میں موجود ہونے کے باجود نہیں نکلے۔ تو یہ بہت سے مجاہدات کرے۔

؎ دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

کروبیاں یعنی فرشتے۔ کروبی ایک فرشتہ، کروبیاں بہت سارے فرشتے۔ اگر اللہ تعالیٰ محض عبادت اور نماز روزہ کروانا چاہتا تو سارا آسمان فرشتوں سے بھرا پڑا تھا۔ آسمان فرشتوں کے بوجھ سے چرچراتا ہے، کوئی رکوع میں ہے، کوئی سجدہ میں ہے، کوئی قیام میں ہے اور اللہ کی یاد سے آسمان گونج رہے ہیں لیکن ان سب کے باوجود اللہ تعالی نے فرمایا۔

واذ قال ربک للملا ئکة انی جاعل فی الارض خلیفة قالو اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدما و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک

اللہ تعالی نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کر رہا ہوں، فرشتوں نے کہا کہ تو اس کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو زمین میں فساد کرے گا، خون بہائے گا اور ہم تو آپ کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے ہیں۔ یعنی عبادت کا کام تو ہم کر رہے ہیں۔

قال انی اعلم ما لا تعلمون

کہا جس بات کو میں جانتا ہوں اس کو تم نہیں جانتے۔

بات صرف ذکر و تسبیح اور عبادت کی نہیں بات کچھ اور ہے۔ بات کیا ہے؟ وہ بات یہ ہے کہ

؎ دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

ہاں میرے بھائی! ورنہ فرشتے کم نہیں تھے۔

خیر جب بارہ سال کے بعد بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی بہن ہرات سے آئیں اور بیٹے سے ملیں تو دیکھا کہ بیٹے کا قد تو لمبا ہو گیا ہے لیکن ہڈیاں اور چمڑا ہے۔ بہن نے بھائی کو گلہ کیا کہ تو نے میرے بیٹے کے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ 'کیا کیا؟' کہا: 'وہ تو ہڈیاں اور چمڑا بن گیا ہے۔' کہا: 'اس کو بلا کر لاؤ۔' بلا کر لایا۔ واقعی دیکھا تو چمڑے اور ہڈیوں کا مجموعہ تھا۔ بابا صاحب نے کہا: ''میں نے تجھے لنگر کی خدمت پر نہیں لگایا تھا''۔ کہا: ''جی حضرت لگایا تھا۔'' کہا: ''پھر تو اتنا کمزور کیوں ہوا ہے؟'' کہا: ''حضرت آپ نے خدمت پہ لگایا تھا، یہ نہیں فرمایا تھا کہ تو بھی کھانا کھا لینا۔'' کہا: ''تو پھر تُو کیا کرتا تھا؟'' کہا: ''جب لنگر کا کام کر لیتا تھا تو جنگل چلا جاتا تھا۔ وہاں گولر کا درخت تھا۔ (گولر ایک درخت ہوتا ہے جس پر پھیکا پھل لگتا ہے) میں اس پھل کو جھاڑتا اور کھا لیتا۔ میں نے بارہ سال اسی طرح گزارے۔''

(مجمع واقعہ کی کیفیت کی شدت سے نعرۂ تکبیر۔ اللہ اکبر کی صداؤں سے گونج اُٹھا)

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مرجایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

آہ! جب ہم نے تعلق تیرے ساتھ ہی قائم کیا تو اب ساری دنیا اجنبی ہے۔

؎ پیار نہ کرنا یہ دل کہتا رہا کہنے دیا
چن لیا میں نے تمہیں سارا جہاں رہنے دیا

چلو بات یاد آگئی تو آپ کو سنائیں۔ میں جب پشاور یونیورسٹی میں انٹر میں پڑھتا تھا تو اس زمانے میں ہندوستانی فلموں کا بڑا رواج تھا۔ ہندوستان کی ایک فلم تھی اس میں ایک گانا تھا بڑا

مشہور ہوا تھا اور ہر کوئی اس کو پڑھتا تھا، کالج میں لڑکے ہر طرف اس کو گنگناتے تھے۔اس کے مقابلے میں میں نے ایک نظم لکھی تھی ۔اس گانے میں کہا گیا تھا۔

ے زندگی اسی کی ہے جو کسی کا ہو گیا۔ پیار میں جو کھو گیا

یہ اسکا شعر تھا۔ ہمارے اتنے زیادہ تقوی کے حالات تو نہیں تھے لیکن بزرگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوا تھا۔ ہمارا پہلا اٹھنا بیٹھنا مولانا غوث ہزاروی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ شخص جو تھا دینی غیرت کا ایک شعلہ تھا۔لہٰذا ایسی چیز جہاں سنتے تھے تو مقابلہ کے لئے غیرت بیدار ہوتی اور جذبہ بنتا تھا۔تو اس کے مقابلے میں میں نے بھی لکھا کہ

ے زندگی اسی کی ہے جو بھی کہ تیرا ہو گیا
جس میں تیری لگن نہیں سب کچھ وہ گویا کھو گیا
تاروں میں ہے چمک تیری پھولوں میں ہے مہک تیری
چڑیوں میں ہے چہک تیری سبزے میں ہے لہک تیری

جب ہوا چلتی ہے اور سبزہ دائیں بائیں ہلتا ہے تو اسکو لہک کہتے ہیں۔ پوری نظم اب مجھے یاد نہیں۔ اللہ نے بعد میں یہ فالتو کام چھڑا دیا۔تو سچ بات یہ ہے کہ جب آدمی اللہ کا ہو گیا تو لوگوں نے اللہ کے لیے اپنی چاہتیں، اپنے ارمان، اپنی خواہشات کے مزے ایسے کچلے ہیں کہ سبحان اللہ۔ چلئے اس پر ایک واقعہ اور یاد آیا۔

ایک دفعہ میں ویگن میں بیٹھا تو میرے ساتھ ایک لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ یہ آپ کو پہلے سے بتا دوں کہ یہ کشف کوئی کمال نہیں، یہ ہندوؤں کو بھی ہو جاتا ہے۔تو مجھے اپنے قلب سے آواز آئی کہ میرے پاس والا لڑکا یہ پڑھ رہا ہے۔

ے زندگی اسی کی ہے جو کسی کا ہو گیا۔ پیار میں جو کھو گیا

تو میں نے کہا کہ آپ یہ پڑھ رہے ہیں؟ وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ کون آ گیا کہ میں دل میں

لگا ہوا تھا اور اسے پتہ چل گیا۔ میں میڈیکل کالج میں ٹیسٹ لینے گیا۔ میں نے جیسے قدم اوپر رکھا تو میرے قلب پر جاری ہو گیا

جانے والے تیرے قدموں کے نشان باقی ہیں

مجھے خیال ہوا کہ کوئی بہت ہی جلا بھنا اندر بیٹھا ہوا ہے اور دل میں گا رہا ہے۔ جی چاہا کہ بورڈ پر لکھ دوں کہ قدموں کے نشان والا پرچے کے بعد ضرور مجھ سے مل کر جائے تا کہ میں اسے بتا ؤں کہ 'قدموں کے نشان' کہاں ملتے ہیں، وہ کون سے قدموں کے نشان ہیں جن کے پیچھے دیوانہ ہو جانا چاہیے۔ خیر جی چلیں آپ کو ایک اور واقعہ سناتے ہیں۔ یہ جو غالب کے اشعار پڑھے کہ

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو

ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

اس پر آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ مصر میں سروے ڈیپارٹمنٹ کا ایک افسر تھا۔ اس نے کہا کہ میں پہاڑی اور بیابان علاقے میں سروے کر رہا تھا۔ حکومت کے ذمے ہوتا تھا کہ سارے علاقے کا سروے کر کے اس کا ریکارڈ رکھے۔ کہتا ہے سمندر کے کنارے ایک علاقہ تھا، میں اس کا سروے کر رہا تھا، کوئی بھی آبادی وہاں نہیں، کوئی لوگ نہیں وہاں پر لیکن مجھے اللہ اللہ کی آواز آ رہی ہے، میں اس آواز کی طرف چلا، آگے جا کر دیکھا کہ ایک خیمہ ہے، خیر اندر گیا دیکھا کہ ایک آدمی ہے، آنکھوں سے اندھا ہے، پیروں سے معذور ہے، بہت مشکل سے سنتا ہے، اور وہ اللہ اللہ کر رہا ہے اور اللہ کے شکر کے کلمات کہہ رہا ہے میں نے کہا: ''جی! آپ کون ہیں؟ آپ کو کیا مسئلہ ہے؟ آپ تو یہاں پر تنہا ہیں؟'' انہوں نے کہا: ''میں اکیلا ہی یہاں پر ہوتا ہوں، میرا ایک بیٹا ہے، جو میری خدمت کیا کرتا ہے۔ تین دن سے وہ گیا ہے اور واپس نہیں آیا ہے۔'' میں اسکو ڈھونڈنے کے لئے نکلا تو ایک جگہ بیابان میں دیکھا کہ کسی جانور نے اسے پھاڑ کر مار کر کھا لیا ہے۔ سروے افسر کہتا ہے کہ میں نے سوچا یا اللہ! ایک بوڑھا آدمی، بیابان میں بیٹھا ہوا، ایک ہی اسکا بیٹا، اس کو بھی

درندوں نے کھالیا ہے، اب میں جا کر کیسے اسکو بتاؤں۔ خیر میں واپس چلا آیا اور کہا کہ جی! میں تو آپ کے بیٹے کو ڈھونڈ نے گیا تھا لیکن اسے کسی شیر نے کھالیا ہے، مار دیا ہے۔ ان بزرگ نے سنا تو کہا: ''الحمداللہ۔ الحمداللہ۔'' پھر لا الہٰ اللہ محمد رسول اللہ پڑھا اور وفات پا گئے۔ میں حیران کہ یا اللہ پاک! ایک مردہ اور ایک میں، اسکو غسل دینا ہے، اس کے لئے قبر کھودنی ہے، اسے کفن دینا ہے!'' اب میں ادھر ادھر دیکھ رہا ہوں کہ لوگ آنا شروع ہو گئے، آ رہے ہیں، آ رہے ہیں، کوئی اس کے پیر چوم رہا ہے، کوئی ہاتھ چوم رہا ہے، کوئی پیشانی چوم رہا ہے اور اتنے لوگ جمع ہو گئے کہ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ میں نے کہا: جی! یہ کون بزرگ ہیں؟ اور آپ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ شیخ الحدیث ابو قلابہؒ ہیں۔ اس وقت دنیا میں جتنا حدیث کا علم ہے ابو قلابہ رحمتہ اللہ علیہ کے واسطے سے آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاتا ہے۔ مختلف علاقوں میں جو احادیث چل رہی ہیں ان کی اسناد میں ان کا ذکر ہے۔ بہر کیف ان کو غسل دیا، کفن دیا، وہاں پر دفن کیا۔

چلئے یہ واقعہ یاد آ گیا علاؤالدین صابر کلیری رحمتہ اللہ علیہ کا یہ بھی عرض کردوں۔ یہ کئی دفعہ بیان کیا ہے لیکن

حدیث عشق خوشبو داست ؎
وشبلی خوش ترش گفت است

یہ تو بار بار دہرانے کی باتیں ہیں کہ محبت کی بات بھی بڑی پیاری ہے لیکن شبلی نے بیان بھی بڑی پیاری کی ہے۔

علاؤالدین صابر کلیریؒ کامل ہو گئے لیکن انہوں نے مجاہدات اتنے کئے تھے کہ ان کے نفس کا بالکل خاتمہ ہو گیا تھا اور نفس سے کھانا پینا، شادی، بیاہ غرض تمام مزے نکل گئے تھے کیونکہ بارہ سال تک کھانا ہی نہیں ملا۔ کامل ہونے کے بعد یہ تحصیل رُڑکی گئے۔ وہاں ان کو جذب ہوا، ہوش و حواس اُڑ گئے۔ وہی گولر کا درخت۔ اسکی شاخ پکڑ کر ساکت کھڑے ہو گئے۔ نہ کھانا نہ پینا، نہ

پیشاب نہ پاخانہ، نہ اٹھنا نہ بیٹھنا۔ بابا فرید الدین صاحبؒ کو اطلاع دی گئی کہ ان کا تو یہ حال ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شمس الدین ترک ان کے پاس جائے۔ شمس الدین ترک بابا فریدؒ کے خلیفہ تھے، بڑے خوش الحان قاری بھی تھے۔ کہتے ہیں کہ میں چلا گیا، میں نے دیکھا کہ وہ شاخ پکڑ کر کھڑے ہیں، ہو ہی ہو ہے، ہو ہی ہو ہے، تو ہی تو ہے اور بجز اس کے کچھ نہیں۔

ہو میں اتنا کمال پیدا کر

کہ جز ہو کے تو نہ رہے

تیری ہستی کا رنگ و بو نہ رہے

انہوں نے جا کر ان کے پاس تلاوت شروع کی۔ تلاوت جو سنی تو ہوش و حواس بحال ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ 'کون ہے؟' کہا: 'شمس الدین ہوں۔' کہا: 'اچھا، اور تلاوت کرنا۔' کہا: 'حضرت میں تو تھک گیا ہوں، کیسے تلاوت کروں۔' کہا: 'بیٹھ جاؤ نا۔' کہا: 'حضرت کیسے بیٹھوں جب کہ آپ کھڑے ہیں۔' کہا: 'میں بھی بیٹھ جاتا ہوں۔' انہوں نے کہا کہ شکر ہے اللہ کا کہ ایک حال سے نکال دیا، کھڑے سے بٹھا تو دیا ہے۔ پھر تلاوت کی، پھر چپ ہو گئے۔ کہا: 'اور پڑھو ناں۔' کہا: 'حضرت کیسے پڑھوں؟ مجھے تو بھوک لگی ہوئی ہے۔' انہوں نے کہا: 'بھوک لگی ہے تو گولر کے پھل جھاڑ کر کھاؤ!' کہا: 'حضرت میں کیسے کھاؤں جب کہ آپ نہیں کھاتے ہیں؟' اس طرح ان کو بھی کھلا دیا ساتھ۔ انہوں نے کہا چلو یہ بات بھی ہو گئی، کھانا بھی کھلا دیا۔ انہوں نے کہا: 'اچھا ایسا ہے کہ تو میرے پاس ٹھہر جا اور خدمت کیا کر۔' کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس ٹھہرا خدمت کے لئے۔ وہ خدمت کیا تھی گویا ہر وقت آگ میں کھڑا ہونا تھا۔ میں گیا کسی کام سے مثلاً کہا کہ 'جاؤ وہاں سے لکڑی لیکر آجا'، میں جاتا، دیر ہو جاتی تو فرماتے 'اندھا ہے؟ نظر نہیں آتا؟' بس میں وہی اندھا ہو جاتا اور وہیں بیٹھ جاتا۔ کہتے: 'شمس الدین کیوں نہیں آرہا؟' میں کہتا: 'کیسے آؤں، اندھا تو کر دیا!' بس وہ دعا کرتے 'اے اللہ! میرا تو ایک ہی خادم ہے مرید ہے، وہ بھی اندھا ہو گیا، تو ہی اسے ٹھیک فرما۔'

پھر میں ٹھیک ہو جاتا۔ پھر کسی کام سے بھیجتے، دیر ہو جاتی تو فرماتے: 'شمس الدین کیوں دیر ہوئی لنگڑا ہو گیا کیا؟' بس میں وہیں لنگڑا ہو جاتا اور بیٹھ جاتا۔ فرماتے 'کیوں نہیں آ رہا؟' میں کہتا: 'کیسے آؤں لنگڑا تو کر دیا۔' فرماتے: 'او میرے اللہ! میرا تو یہی ایک خادم و مرید ہے یہ بھی لنگڑا ہو گیا۔ اب میں کیا کروں گا، تو اسے ٹھیک کر دے۔' تو میں ٹھیک ہو جاتا۔ ایک دن مجھ سے فرمایا: 'شمس الدین اب تو چلا جا۔ لیکن دیکھ! ایک وقت ایسا آئے گا کہ تجھ سے کرامت ظاہر ہو گی، پھر تو آ جانا، وہ میرے دنیا سے رخصت ہونے کا وقت ہو گا۔' یہ چلے گئے اور بادشاہ کی فوج میں نوکر ہو گئے۔ یہ فوج میں کام کرتے تھے۔ ایک دفعہ بادشاہ نے حملے کے لئے کسی علاقے میں لشکر بھیجا۔ سردی کا موسم تھا۔ وہاں ایک تالاب تھا، صبح جب شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ تالاب پر وضو کرتے تو تالاب کا پانی گرم ہو جاتا، گرم پانی سے وضو کر لیتے، مختلف فوجیوں نے اس بات کا تجربہ کیا، انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ تیرے لشکر میں ایک ایسا اللہ والا ہے کہ جب وضو کرتا ہے تو تالاب کا پانی گرم ہو جاتا ہے۔ بادشاہ نے آزمائش کی تو واقعی کرامت کی تصدیق ہو گئی۔ انہیں یاد آیا کہ حضرت صاحب نے فرمایا تھا کہ جب تجھ سے کرامت کا ظہور ہو گا تو اس کے فوراً بعد میرے پاس آنا کیونکہ میرے دنیا سے گزرنے کا وقت ہو گا۔ یہ جلدی پہنچے، ان کا آخری وقت تھا، انہوں نے کہا: 'آ گئے؟' کہا: 'جی میں آ گیا۔' پھر کہا: 'حضرت! یہاں پر ایک آپ ہیں اور ایک میں ہوں۔ آپ کی وفات کے بعد غسل، کفن دفن کا انتظام کیسے ہو گا؟' انہوں نے کہا: 'تو بالکل فکر نہ کرنا، علیمُ اللہ ابدال ہرات سے میری قبر کے تختے لائے گا اور لوگ آ جائیں تو بس مجھے لٹانا اور اشارہ کرنا، میرا غسل ہوتا جائے گا، پھر ایک نقاب پوش آدمی آئے گا، وہ میرا جنازہ پڑھائے گا۔ پھر مجھے دفن کر دینا۔' کہتے ہیں جیسے ہی ان کی روح پرواز کر گئی تو لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ بہت لوگ جمع ہو گئے اور علیمُ اللہ ابدال ہرات سے آ گیا، جو قبر کے تختے لیکر آیا تھا۔ اس کے بعد ایک نقاب پوش گھڑ سوار آدمی آیا جس نے ان کا جنازہ پڑھایا۔ اس کے بعد بڑے مزے کے واقعات ہیں، جب آپ کبھی ہمارے پاس آئیں گے تو آپ کو

سنائیں گے۔

ے رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مرجایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

ے پیار نہ کرنا یہ دل کہتا رہا کہنے دیا
چن لیا میں نے تمہیں سارا جہاں رہنے دیا

اے اللہ! اپنی ذات کے ساتھ ایسا تعلق بنایئے کہ اور کسی کی چاہت نہ رہے۔

ے زندگی اسی کی ہے جو بھی کہ تیرا ہو گیا
جس میں تیری لگن نہیں سب کچھ وہ گویا کھو گیا
تاروں میں ہے چمک تیری پھولوں میں ہے مہک تیری
چڑیوں میں ہے چہک تیری سبزے میں ہے لہک تیری

ے جدھر دیکھتا ہوں ادھر تُو ہی تُو ہے
تجلی تیری ذات کی سُو بہ سُو ہے

باقی مجمع میں اتنی استعداد نہیں کہ مسئلہ وحدت الوجود کو میں بیان کرتا۔ ہر چیز، ہر جگہ، ہر شے میں ذات ذوالجلال کی قدرت کا جلوہ نظر آتا ہے۔ سبحان اللہ۔ میرے بھائی! آگے بڑھ، آجا، سیکھ لے اس چیز کو، جب سیکھ لے تو

ے اللہ ہو میں بڑے مزے ہیں، جو چاہے سو چکھ لے
اللہ ہو میں بڑے مزے ہیں، جو چاہے سو چکھ لے

☆☆☆☆☆☆☆

سچائی کی تلاش

(QUEST FOR TRUTH)

(پرفیسر ڈاکٹر قیصر علی صاحب، شعبۂ سول انجنیئر نگ، یونیورسٹی آف انجنیئر نگ اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور)

انسان کا علم و تحقیق پر مبنی کئی صدیوں کا مسلسل سفر آج اپنی انتہاؤں کو چھور ہا ہے۔ نت نئی سائنسی ایجادات نے دنیا کی شکل ہی تبدیل کر دی ہے۔ جو بات آج سے چند سال پہلے صرف خیالی دنیا میں ممکن تھی آج وہ حقیقت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ عصرِ حاضر کی دو ایجادات، موبائل اور انٹرنیٹ نے تو دنیا میں ایک حیرت انگیز انقلاب بر پا کر دیا ہے۔ ان دونوں چیزوں کی ہر خاص و عام تک رسائی نے دنیا کو صحیح معنوں میں عالمی گاؤں (Global Village) بنا دیا ہے۔

انسان کی فطرت میں جب تک جستجو کا عنصر موجود ہے اور جب تک انسان اِس دنیا میں بطور انسان باقی ہے علم و تحقیق کا یہ سفر جاری رہے گا۔ اِس دوران وہ لامحالہ اپنے آپ اور اپنے خالق کے بارے میں بھی سوچے گا۔ وہ سوچے گا کہ کیا یہ کائنات خود بخود وجود میں آئی ہے یا یہ کسی کی تخلیق ہے۔ بالفاظِ دیگر، کیا اللہ تعالیٰ موجود ہے؟ اور اگر وہ موجود ہے تو اُس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ اور اگر ساری چیزوں کا خالق وہ ہے تو اُس کا خالق کون ہے؟

یہ ایک حقیقت ہے کہ آج کا انسان اپنی تمام تر سائنسی ترقی کے باوجود اِن سوالات کا شافی (Satisfactory) جواب دینے سے عاجز ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا انسان اپنے علم و تحقیق کی بنیاد پر کبھی اِن سوالات کے جوابات پالے گا یا یہ سوالات ہمیشہ تشنہ (Unanswered) رہیں گے؟ اِس سے پہلے کہ ہم اِس موضوع پر مزید بحث کریں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ سائنسی علم خود کیا چیز ہے؟ کیا اِس کی کوئی حد (Limit) بھی ہے یا یہ ایک لامتناہی (Infinite) چیز ہے۔

سائنسی علم دراصل اشیاء کی حقیقتوں کو جاننے (Knowing facts about things) کا نام ہے۔ مثلاً آگ ایک شے ہے۔ آگ جلاتی ہے مگر ایک بچہ جس کا آگ سے پہلی مرتبہ واسطہ پڑتا ہے

اِس بات سے بے خبر ہوتا ہے۔ وہ جب تک آگ کے قریب نہ آئے اور آگ کی گرمی کو محسوس نہ کرلے وہ آگ کی حقیقت کو نہیں جان سکتا۔ اسی لئے شروع میں انسان ہمیشہ اپنے حواسِ خمسہ (دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے اور چھونے) سے سیکھتا ہے۔ اِس کے بعد وہ اپنی عقل کو کام میں لاتے ہوئے اپنے اور لوگوں کے مشاہدات و تجربات سے سیکھتا ہے۔ عقل ایک فطری چیز ہے جو انسان کو حیوانات سے ممتاز کرتی ہے اور یہی عقل وہ چیز ہے جو انسان کو اشیاء کی حقیقتوں کو جاننے یعنی علم و تحقیق پر مجبور کرتی ہے۔ جس طرح دنیا میں ہر شے کی ایک حد ہوتی ہے اسی طرح عقل کی بھی ایک حد ہے۔ اور چونکہ علم و تحقیق کی بنیاد ہی عقل پر ہے لہٰذا یہ بھی لامحدود (Infinite) نہیں ہے۔ اگر ہم یہ تصوّر کرلیں کہ عقل کا اپنا ایک دائرہ ہے تو خواہ یہ دائرہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اِس سے باہر کی چیزوں کو سمجھنے کے لئے ہمیں عقل سے ماوراء کسی اور چیز کا سہارا لینا پڑے گا۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ عقل یا دوسرے الفاظ میں علم و تحقیق کا دائرہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھے گا۔ مگر یہ جتنا بھی بڑھ جائے یہ عقلاً ممکن ہے کہ کچھ چیزیں پھر بھی اِس سے باہر ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ کٹر اور متعصب مُلحدین (منکرینِ خُدا) کو چھوڑ کر بڑے بڑے عُقلا، فلسفی اور سائنسدان اِس بات کو مانتے ہیں کہ بعض بنیادی سوالات کے جوابات پانے کے لئے ہمیں اہلِ مذہب سے رجوع کرنا پڑے گا۔ اہلِ مذہب انسانی علم سے ماوراء علم کو علمِ وحی کہتے ہیں۔ اُن کے مطابق یہ علم خالقِ کائنات جس کو ہم God، خدا یا اللہ کے نام سے جانتے ہیں اپنے خاص بندوں، "انبیاء" (Prophets) کو عطا کرتے ہیں۔

دنیا میں اِس وقت تین بڑے آسمانی مذاہب ہیں۔ اسلام، عیسائیت اور یہودیت۔ اِن تینوں کا دعوٰی ہے کہ اِن کے پاس علم وحی ایک کتابی شکل میں موجود ہے۔ عیسائیوں کی کتاب انجیل اور یہودیوں کی کتاب تورات کے چیدہ چیدہ اسباق بائبل میں یکجا کئے گئے ہیں۔ جبکہ مسلمانوں کی اپنی الگ کتاب قرآن ہے۔ اِس سے پہلے کہ ہم اِن کتابوں میں موجود علم وحی کی مدد سے اپنے سوالات کے جوابات تلاش کریں، یہ مناسب ہوگا کہ ہم پہلے خود اِن کتابوں کا وحیء اِلٰہی (Revelation from God) ہونا ثابت کریں۔ اِن کتابوں کو وحیء اِلٰہی ثابت کرنے کے بہت سے معیار ہوسکتے ہیں مگر چونکہ

آج کا دور سائنس کا دور ہے اِس لئے ہم اِن کتابوں کو سائنسی حقائق کی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے اِن کا جائزہ لیں گے۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ ہم محض سائنسی تصورات کو نہیں بلکہ سائنسی حقائق کو معیار بنانے کی بات کر رہے ہیں۔ دراصل حقائق کائنات میں پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔ سائنس ان کو صرف دریافت کرتی ہے۔ سائنس والے جانتے ہیں کہ سائنس جب مفروضہ (Hypothesis)، مشاہدہ (Observations) اور تجربہ (Experiment) وغیرہ کے مراحل (Stages) سے نکل کر قانون کے مرحلے میں داخل ہوتی ہے تو پھر وہ کائنات میں موجود ایک ایسی اٹل حقیقت کو آشکارہ (Discover) کرتی ہے جس کو رد کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ مثلاً زمین کا سورج کے گرد گردش کرنا ایک حقیقت ہے۔ یہ حقیقت پہلے سے موجود تھی سائنس نے اِس کو آشکارہ کیا۔ اور اب اِس حقیقت کے بدلنے کا کوئی امکان نہیں۔ لہذا اگر کوئی کتاب الہامی ہونے کا دعویٰ تو کرے مگر اُس کا ٹکراؤ اِس اٹل سائنسی حقیقت کے ساتھ آ رہا ہو تو ہم یہی کہیں گے کہ یا تو یہ الہامی کتاب نہیں یا اِس میں تبدیلی کی گئی ہے کیونکہ جب ہم کسی کتاب کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اس کے مضامین الہامی ہیں تو دراصل ہم یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اِس کے مضامین خالق کائنات کی طرف سے ہیں لہٰذا اِس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اُس کی کہی ہوئی کوئی بات یا مضمون سائنسی حقائق کے مخالف ہو۔

بائبل کا غیر جانبدارانہ جائزہ لینے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اِس میں جگہ جگہ سائنس کے ساتھ ٹکراؤ موجود ہے۔ مثلاً بائبل میں ہے: "The earth is fixed." (Psalm 104-5) ترجمہ: زمین ساکن ہے [1]۔ بائبل اور سائنس کے تصادم ہی کی وجہ سے بُرونو (Bruno)، نِکولس (Nicolas)، کیپلر (Kepler) اور گلیلیو (Galileo) جیسے بڑے سائنسدان پادریوں کے شدید ترین مظالم کا نشانہ بنے۔ بائبل کی موجودہ حیثیت بطور غیر تحریف شدہ الہامی کتاب (Unammended words of God) کے اور بھی کئی حوالوں سے مشکوک ہے۔ اِس وقت دنیا میں بائبل کے کئی نسخے موجود ہیں جن میں باہم اختلاف کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ نیز اِس کے ہر نسخے میں بذات خود لاتعداد

تضادات (contradictions) ہیں[2]۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف غیر جانبدار محققین بلکہ خود یہودیوں اور عیسائیوں کے تقریباً سارے بڑے مذہبی رہنما اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ موجودہ بائبل تحریف یعنی ردوبدل (Ammendments) سے خالی نہیں۔ اِس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد کہ بائبل میں تحریف ہوئی ہے، بائبل کے مضامین کو شک و شبہ سے بالاتر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اب ایک کتاب جس کے علوم تحریف شدہ ہوں اور وہ سائنسی حقائق سے متصادم بھی ہوں، ہمیں عقل سے ماورا سوالوں کے تسلی بخش (Satisfactory) جوابات کیسے دے گی؟

دوسری طرف مسلمانوں کا اپنی کتاب قرآن کے بارے میں یہ دعوٰی ہے، اور جس کو غیر جانبدار محققین بھی تسلیم کرتے ہیں، کہ قرآن کے علوم تحریف سے پاک ہیں۔ مسلمان اپنے اِس دعوٰی کے ثبوت میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ آج بھی ۱۴۰۰ سال پہلے لکھے گئے قرآن کے دو نسخے دنیا میں موجود ہیں جن میں سے ایک تاشقند اور دوسرا استنبول کے میوزیم میں محفوظ ہے[3]۔ لہٰذا اصل نسخوں کی موجودگی کی وجہ سے قرآن کے مضامین میں تحریف ممکن نہیں۔ مسلمانوں کا یہ دعوٰی اِس لئے بھی حقیقت پر مبنی نظر آتا ہے کہ بائبل کے برعکس دنیا بھر میں پھیلے ہوئے قرآن کے اُن گِنت نسخوں میں کوئی اختلاف نہیں[4]۔ ناقدینِ قرآن کا بھی قرآن پر یہ اعتراض نہیں کہ اِس کے مضامین میں تحریف ہوئی ہے بلکہ اُن کا اعتراض یہ ہے کہ یہ مضامین الہامی نہیں، محمد ﷺ کے اپنے گھڑے ہوئے ہیں (نعوذ باللہ)۔ اِس بات کا جائزہ لینے کے لئے کہ قرآن محمد ﷺ کے الفاظ نہیں، اللہ کا کلام ہے، ہم قرآن کو سائنس کی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے دنیا کے نامور سائنسدانوں میں سے بطور نمونہ چار سائنسدانوں (پروفیسر پالمر: امریکہ؛ پروفیسر مُور، پروفیسر پرساد: کینیڈا اور پروفیسر تجاسن: تھائی لینڈ) کے خیالات کو اِنھیں کے الفاظ میں مختصراً پیش کرتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر پالمر (Prof. Dr. Alison P. Palmer) نے ۱۹۵۰ء میں مِنیسوٹا (Minnesota) یونیورسٹی امریکہ سے ارضیات (Geology) میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل

کی۔اپنے طویل کیریئر کے دوران اُنہوں نے امریکی ارضیاتی ادارے میں ارضیاتی ماہر و ماہر آثارِ قدیمہ (Geologist and Archeologist) کے طور پر خدمات انجام دیں۔ Dr. Alison Palmer نے انتہائی شاندار طریقے سے منتخب قرآنی آیات اور نبی کریم ﷺ کی واضح احادیث کی مدد سے ثابت کیا ہے کہ قرآن محمد ﷺ کے الفاظ نہیں بلکہ یہ اللہ کا کلام ہے۔قرآن میں ۱۴۰۰ سال پہلے سے موجود ارضیاتی سائنس (Geology) کی حقیقتوں کا جدید تحقیقات سے موازنہ کرنے کے بعد ایلیسن پالمر اپنے ایک طویل مقالے کے آخر میں کہتے ہیں: "مجھ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ سب کچھ حضرت محمد ﷺ خود جان سکتے تھے؟ ایک محتاط سائنسدان کا جواب ہوگا کہ یہ ناممکن نہیں لیکن اِس کے لئے قدرتی تاریخ کے پیچیدہ علم کی ضرورت ہوگی۔۱۴۰۰ سال قبل بتائے گئے اِن بیانات کی کیا ضرورت تھی جو کہ جدید ارضیاتی سائنس کے آغاز سے بھی بہت پہلے کی بات ہے۔ہمیں مشرقِ وسطیٰ کی زبان اور ثقافت کی تاریخ پر تحقیق درکار ہے تا کہ ہم یہ جان سکیں کہ آیا واقعی اُس دور میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں؟ اگر ایسا کوئی ریکارڈ نہیں ہے تو یہ اِس عقیدے کو مزید تقویت بخشتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے واسطے سے اپنے علم کا کچھ حصہ منتقل کیا ہے جو کہ ہم نے اپنے لئے حال ہی میں دریافت کیا ہے۔[5]"

پروفیسر ڈاکٹر کیتھ ایل مُور (Prof. Dr. Keith L. Moore) علمِ تشریح الاعضاء اور جَنِینیات (Anatomy and Embryology) کے شعبوں میں دنیا کے نمایاں سائنسدانوں میں سے ایک ہیں۔ وہ "The Developing Human" نامی کتاب کے مصنف ہیں جس کا آٹھ زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ڈاکٹر کیتھ ایل مُور کینیڈا کی 'یونیورسٹی آف ٹورنٹو' (Toronto, Canada) میں پروفیسر رہے ہیں۔ پروفیسر کیتھ ایل مور ۱۴۰۰ سال پہلے نازل کی گئی قرآنی وحی کے بارے میں کہتے ہیں: " قرآن نے انسانی جنین (Embryo : ماں کے پیٹ میں بچے کے مختلف مراحل) کی درجہ بندی (Stages) کے جس نظام کا ذکر کیا ہے وہ حیران کن ہے اِسلئے کہ یہ قرآن ساتویں صدی عیسوی میں نازل ہوا ہے اور بیسویں صدی عیسوی تک انسان کو جنین کے مراحل اور درجہ بندی کے متعلق بہت کم علم تھا۔ اِس

لئے قرآن میں موجود انسانی جنین کی تفصیلات سائنس کی بنیاد پر نہیں ہو سکتی۔ صرف ایک مناسب نتیجہ یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ تفصیلات خدا کی طرف سے حضرت محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہیں۔ اُنھیں یہ چیزیں خود بخود پتہ نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ وہ نہ پڑھے لکھے تھے اور نہ ہی اُن کو سائنس کا علم تھا۔[6]"

پروفیسر ڈاکٹر پرساد (Prof. Dr. Persaud) یونیورسٹی آف مینی ٹوبہ، کینیڈا (Manitoba, Canada) میں علمِ تشریح الاعضاء اور طب اطفال (Anatomy and Pediatrics) کے پروفیسر رہے ہیں۔ وہ ۲۰ سے زیادہ کتابوں اور ۱۸۱ سے زیادہ سائنسی مقالوں کے مصنف ہیں۔ وہ کہتے ہیں: "مجھے یہ لگتا ہے کہ محمد ﷺ ایک عام آدمی تھے۔ وہ نہ پڑھ سکتے تھے اور نہ لکھ سکتے تھے یعنی وہ پڑھے لکھے نہ تھے۔ ہم ۱۴ صدی پہلے کی بات کرتے ہیں جس میں ایسا شخص جو پڑھا لکھا نہ تھا، نے ایسے سائنسی انکشافات کیے جو جدید سائنسی علوم کے عین مطابق ہیں۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ کوئی اتفاق نہیں ہو سکتا کیونکہ اتفاق اتنے تسلسل کے ساتھ کبھی رونما نہیں ہو سکتے۔ میرے ذہن میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ یہ علوم عالم غیب کی طرف سے اُن پر نازل ہوئے اور اُنھوں نے اُن کی روشنی میں یہ بیانات دیئے۔[7]"

پروفیسر ڈاکٹر تجاسن (Prof. Dr. Tejatat Tejasen) یونیورسٹی آف چنگ مائی، تھائی لینڈ (Chiang Mai, Thailand) میں اناٹومی ڈیپارٹمنٹ (Anatomy) کے چیئرمین رہے ہیں۔ پروفیسر تجاسن نے جدید جنینیاتی علوم (Embrology) اور قرآن کے متعلق مختلف مضامین کا مطالعہ کیا ہے۔ اُنھوں نے کئی دن مسلم اور غیر مسلم دانشوروں کے ساتھ قرآن اور حدیث کی روشنی میں انہی مضامین پر بحث کی۔ اِس کے بعد اُنھوں نے آٹھویں سعودی میڈیکل کانفرنس جو ریاض میں منعقد ہوئی تھی میں کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ: "اِن تین سالوں میں مجھے قرآن میں بہت دلچسپی پیدا ہوئی۔ اپنے مطالعہ اور اِس کانفرنس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ۱۴۰۰ سال پہلے نازل ہونے والی کتاب یعنی قرآن بالکل حق ہے جس کو ہم سائنس سے ثابت کر سکتے ہیں۔ چونکہ محمد ﷺ پڑھے لکھے نہ تھے، یقیناً وہ

اللہ کے رسول تھے جنھوں نے ہمیں اندھیروں سے نکال کر روشنی دی اور اُس روشنی کو پیدا کرنے والا یقیناً اللہ ہے۔ میرے خیال میں اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم "لا الہ الا اللہ" پڑھیں۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ سب سے قیمتی چیز جو مجھے اِس کانفرنس سے ملی وہ "لا الہ الا اللہ" اور میرا مسلمان بننا ہے۔[8]"

سائنس کے علاوہ بھی اس بات کے بے شمار دلائل پیش کئے گئے ہیں کہ قرآن تحریف سے پاک الہامی کتاب ہے۔ مثلاً قرآن نے ۱۴۰۰ سال پہلے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں کہ قرآن جیسا کلام بنا سکے۔ قرآن میں ہے: "اور اگر تم اِس (قرآن) کے بارے میں ذرا بھی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر اتارا ہے، تو اِس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا لاؤ۔" (سورۃ بقرہ آیت ۲۳) یہ بات تاریخی لحاظ سے پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ آج تک کوئی بھی قرآن کے مقابلے کا کلام نہیں لا سکا۔ قرآن کے مقابلے میں کلام لانے کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا کلام پیش کیا جائے جو ایک با مقصد اور رہنما تحریر ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن کی طرح فصاحت و بلاغت کا شاہکار بھی ہو۔ نیز اُس کے مضامین ہر لحاظ سے مکمل اور ہر دور کی ضروریات کے عین مطابق ہوں۔ قرآن کی حقّانیت کا یہ بھی ایک بڑا ثبوت ہے کہ ادبی لحاظ سے انتہائی اعلیٰ معیار کے یہ با مقصد مضامین یکا یک ۴۰ سال بعد اُس آدمی نے بیان کرنا شروع کئے جس نے اِس سے پہلے اپنی ۴۰ سالہ زندگی میں کوئی شعر کہا نہ نثر لکھی حالانکہ آپ ﷺ ایک ایسے معاشرے کے فرد تھے جس میں کم سِن بچے بھی ایک ہی نشست میں فی البدیہہ (فوری:Extempore) دو، دو سو اشعار کہہ دیا کرتے تھے۔

کیا یہ سارے دلائل اِس بات کا تسلی بخش ثبوت نہیں کہ قرآن پاک محمد ﷺ کے الفاظ نہیں بلکہ اُس خالق و مالک کا کلام ہے جس نے اپنی قدرت سے یہ ساری کائنات بنائی؟ دراصل حق بات کو تسلیم کرنے والوں کے لئے یہ چند دلائل کافی ہیں اور نہ ماننے والوں کے لئے ہزار دلائل بھی کم ہیں۔

جب ہم اِس بات کو مان لیتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے تو ظاہر ہے ہم اپنے سوالات کے

جوابات بھی قرآن سے حاصل کریں گے۔ ہمارا پہلا سوال یہ تھا کہ کیا اللہ تعالیٰ موجود ہے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ جب ہم قرآن کو وحیٔ الٰہی تسلیم کر لیتے ہیں تو دراصل یہ اللہ تعالی کی موجودگی ہی کا اعتراف ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر دل کی آنکھ سے دیکھا جائے تو کائنات میں قدم قدم، جہت جہت، سُو بہ سُو قدرت الٰہی کی ایسی لاتعداد نشانیاں نظر آ جائیں گی جو زبانِ حال سے اللہ تعالی کی موجودگی کی گواہی دے رہی ہیں۔ قرآن کہتا ہے: "بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات دن کے لگا تار آنے جانے میں، اُن کشتیوں میں جو لوگوں کے فائدے کا سامان لے کر سمندر میں تیرتی ہیں، اُس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اُتارا اور اس کے ذریعے زمین کو اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشی اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے، اور ہواؤں کی گردش میں، اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع دار بن کر کام میں لگے ہوئے ہیں، اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہی نشانیاں ہیں جو اپنی عقل سے کام لیتے ہیں۔" (سورۃ بقرہ آیت ۱۶۴)

قرآن جا بجا 'عقل والوں' کی عقل کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر یہ کہتا ہے کہ اگر وہ اس کائنات میں بکھری ہوئی حیرت انگیز نشانیوں کو دیکھ کر غور وفکر کریں تو ان کی عقل خود اس بات کا اقرار کر لے گی کہ واقعی کائنات کے اس عظیم نظام کا وجود کسی خالق کے بغیر ناممکن ہے۔ ترکی کے ایک معزز محقق پروفیسر ڈاکٹر بلوک نورباقی نے اپنی کتاب 'قرآنی آیات اور سائنسی حقائق' (مترجم سید فیروز شاہ) میں اِن نشانیوں کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ان نشانیوں میں فلکیات (Astronomy) کا نظام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ماہرینِ فلکیات کے مطابق اِس وقت کائنات میں ان گنت (Numerous) کہکشائیں (Galaxies) موجود ہیں جس میں سے ہر ایک کہکشاں میں کھربوں (Billions) ستارے، سیارے اور دیگر اجسامِ فلکی پائے جاتے ہیں۔ یہ تمام کہکشائیں ایک نامعلوم مقام کی طرف رواں دواں ہیں۔ ہماری زمین ان لاتعداد کہکشاؤں میں سے ایک کہکشاں مِلکی وے (Milky Way) کا ایک ننھا سا ذرہ (Tiny Particle) ہے۔ زمین بیک وقت نہ صرف اپنی کہکشاں کے ساتھ محوِ سفر ہے بلکہ یہ اپنے محور اور سورج کے

گرد بھی گردش کر رہی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ زمین اپنے محور پر بالکل سیدھی نہیں کھڑی بلکہ اس کا محور عمود کے ساتھ ۲۳.۵ درجہ (23.5°) کا زاویہ بنائے ہوئے ہے۔ جس کی بدولت دنیا کے مختلف خطوں میں موسموں کا تغیر و تبدل ہو رہا ہے۔ اگر بالفرض زمین کے اِس جھکاؤ میں تین درجہ (3°) کا فرق آجائے تو زمین کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ گرم علاقوں میں گرمی سمندروں کو خشک کردے گی اور انسان و حیوان کو جلا کر راکھ کردے گی جبکہ ٹھنڈے علاقوں کے سمندر اور حیوان منجمد ہو جائیں گے۔ قرآن کہتا ہے: "نہ تو سورج کی یہ مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے آگے نکل سکتی ہے۔ اور یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔" (سورۃ یٰسین آیت ۴۰)

کیا ان سب باتوں کے باوجود بھی کائنات کی تخلیق کو محض ایک اتفاقی حادثے کا نتیجہ سمجھا جائے گا؟ کیا کبھی کسی اتفاقی حادثے سے تاج محل، دیوار چین، گولڈن گیٹ برِج وغیرہ یا ان سے کوئی بہت معمولی درجے ہی کی کوئی عمارت وجود میں آئی ہے؟ اس بات کو ماننے کے لئے تو کوئی تیار نہیں لیکن عجیب بات ہے کہ اس سے کئی گنا حیرت انگیز واقعہ "تخلیقِ کائنات" کو اتفاقی حادثہ قرار دیا جا رہا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اِس کائنات میں لاتعداد مسحور کن چیزوں کو دیکھ کر ہمیں یہ خیال نہیں آتا کہ ان چیزوں کا بھی کوئی خالق ہونا چاہیے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ہم غور نہیں کرتے۔ اِن چیزوں کو روزانہ دیکھ کر ہم اِن کے عادی ہو گئے ہیں اور یہ فرض کیا ہوا ہے کہ یہ سب کچھ ایک خود کار نظام کے تحت خود بخود ہو رہا ہے۔ لیکن اگر ہم تنہائی میں بیٹھ کر کائنات کے نظام پر غور کریں تو ہمیں ہر چیز میں اللہ نظر آئے گا۔ قرآن کہتا ہے: "ہم اِنھیں اپنی نشانیاں کائنات میں بھی دِکھائیں گے اور خود ان کے اپنے وجود میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل کر سامنے آجائے کہ یہی حق ہے"۔ (سورۃ حم سجدۃ آیت ۵۳)

منکرین خدا کا ایک گروہ خدا کا انکار اِس لئے بھی کرتے ہیں کہ خدا نظر نہیں آتا۔ یہ بڑی نادانی کی بات ہے کہ کسی چیز کا محض اِسلئے انکار کیا جائے کہ وہ نظر نہیں آتی یا وہ ہمارے احاطۂ علم (Scope of knowledge) سے باہر ہے۔ کتنے لوگوں نے اپنی آنکھ سے بیکٹیریا، وائرس اور ایٹم (Atom) جیسی

چیزیں کیا دیکھی ہوئی ہیں؟ کیا اِن چیزوں کا نظر نہ آنا اِس بات کی دلیل ہے کہ اِن چیزوں کا وجود ہی نہیں؟ اگر کوئی ناسمجھ اِن چیزوں کا انکار بھی کرتا ہے تو سمجھ دار لوگ اُس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ہماری روزمرہ زندگی میں نظر نہ آنے والی مگر بہت واضح مثال بجلی کی ہے۔ کتنے لوگوں نے تاروں میں دوڑتی ہوئی بجلی دیکھی ہے؟ لیکن سب لوگ مانتے ہیں کہ بجلی ایک چیز ہے جو باوجود نظر نہ آنے کے بلب کو روشن کر دیتی ہے اور بلب کا روشن ہونا ہی اِس بات کی دلیل ہے کہ بجلی موجود ہے۔ اگر بلب کی روشنی کے لئے بجلی کی قوت ضروری ہے تو کیا سورج جیسے دیوہیکل قمقمے کو روشن رکھنے کے لئے کسی قوت کی ضرورت نہیں؟ یقیناً ہے اور وہ قوت "قدرت الٰہی" ہے۔ یہی قوت فضاء میں معلق اَن گنت سیاروں، ستاروں اور دیگر اجرام فلکی کو بھی بغیر کسی نظر نہ آنے والے سہارے کے سنبھالے ہوئے ہے۔ قرآن کہتا ہے: "اللہ وہ ہے جس نے ایسے ستونوں کے بغیر آسمانوں کو بلند کیا جو تمہیں نظر آ سکیں، پھر اُس نے عرش پر اِستواء فرمایا، اور سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا۔ ہر چیز ایک معیّن میعاد تک کے لئے رواں دواں ہے۔ وہی تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔ وہی اِن نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم اِس بات کا یقین کر لو کہ (ایک دن) تمہیں اپنے پرودگار سے جا ملنا ہے۔" (سورۃ الرعد آیت ۲)

ان سب باتوں کے باوجود بھی اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرتا ہے تو ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے: "میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، اور وہ اگر ہر طرح کی نشانیاں دیکھ لیں، تو ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اور اگر انہیں ہدایت کا سیدھا راستہ نظر آئے، تو اس کو اپنا طریقہ نہیں بنائیں گے، اور اگر گمراہی کا رستہ نظر آ جائے تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں گے۔ یہ سب کچھ اِس لئے ہے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، اور ان سے بالکل بے پرواہ ہو گئے۔" (سورۃ الاعراف آیت ۱۴۶)

اگلا سوال یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ موجود ہے تو اُس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جابجا اپنے وجود پاک کے متعلق کلام فرمایا ہے لیکن ایک جگہ پر قرآن میں اللہ تعالیٰ نے واضح

طور پر یہ فرمایا ہے: "اللہ تمام آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔" (سورۃ النور آیت ۳۵) اب یہ نور کیا چیز ہے؟ اِس کی حقیقت و ماہیت (Composition) کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اِس کو بیان نہیں کیا۔ اِس کی وجہ یقیناً یہی ہے کہ اگر اِس کو بیان بھی کیا جاتا تو انسان کی محدود عقل اُس کا احاطہ کرنے سے لاچار ہوتی لہٰذا اُس کو بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ جب کوئی بچہ ہم سے یہ سوال کرے کہ بجلی کیا چیز ہے؟ تو بچے کی عقل کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ہم یقیناً اُسے بجلی کی حقیقت و ماہیت پر ایک لمبا لیکچر نہیں دیتے بلکہ ہم اُسے مختصراً کہتے ہیں کہ بجلی وہ چیز ہے جو بلب میں روشنی، فریج میں ٹھنڈک اور ہیٹر میں گرمی پیدا کرتی ہے۔ اب اگر بچہ یہ مطالبہ بھی کرے کہ میں تو بجلی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں تو آپ کیا کہیں گے؟ یہی کہ اِس کو نہ تو میں دیکھ سکتا ہوں نہ تم اور نہ کوئی اور۔ البتہ تم اِس کی طاقت کو اِن مشینوں کے چلنے میں دیکھ سکتے ہو۔ اللہ بھی ہمارے ساتھ یہی کر رہا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ میں نور ہوں اور مجھے تم اِس سے زیادہ نہیں سمجھ سکتے تاہم تم میری قدرتوں کو دیکھ سکتے ہو۔ اسی قسم کا مضمون ہمیں سورۃ الشعراء آیات ۲۴ تا ۲۸ میں فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مکالمے میں بھی ملتا ہے۔ قرآن میں ہے:

فرعون نے کہا: "اور یہ رب العالمین کیا چیز ہے؟"

حضرت موسیٰؑ نے کہا: "وہ سارے آسمانوں اور زمین کا، اور اُن ساری چیزوں کا پروردگار ہے جو اِن کے درمیان پائی جاتی ہیں، اگر تم کو واقعی یقین کرنا ہو۔"

فرعون نے اپنے اردگرد کے لوگوں سے کہا: "سن رہے ہو کہ نہیں؟"

حضرت موسیٰؑ نے کہا: "وہ تمہارا بھی پرودگار ہے، اور تمہارے پچھلے باپ دادوں کا بھی۔"

فرعون بولا: "تمہارا یہ پیغمبر جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے، یہ تو بالکل ہی دیوانہ ہے!"

حضرت موسیٰؑ نے کہا: "وہ مشرق و مغرب کا بھی پرودگار ہے، اور اِن کے درمیان ساری چیزوں کا بھی، اگر تم عقل سے کام لو۔"

فرعون نے جو سوال کیا تھا، اُس کا مطلب یہ تھا کہ رب العالمین کی حقیقت و ماہیت بتاؤ۔
حضرت موسیٰؑ کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت و ماہیت کوئی نہیں جان سکتا، البتہ اُس کو اُس کی صفات سے پہچانا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے جواب میں باری تعالیٰ کی صفات ہی بیان فرمائیں۔ اِس پر فرعون نے کہا کہ "یہ بالکل دیوانہ ہے" کیونکہ سوال حقیقت کا کیا گیا تھا اور جواب صفات سے دے رہے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے یہ جواب اِس لئے دیا کہ فرعون اِس سے زیادہ سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال کہتے ہیں:

زحمتِ جلوت مَدِہ خَلّاق را　　　دَر نِگر ہنگامہٗ آفاق را

خالق کو جلوت (کھل کر سامنے آنے) کی زحمت نہ دو۔ اُس کو ہنگامہٗ کائنات میں دیکھو۔
مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ مطالبہ نہ کرو کہ مجھے دیدار کرا دیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی آنکھ کو وہ قوت ہی نہیں دی جس سے وہ اللہ تعالیٰ کا نظارہ کر سکے۔ چنانچہ کوہ طور پر اللہ پاک کا کلام سننے کے بعد اس دل فضا جان فزا آواز کی رعنائی کی کشش نے موسیٰ علیہ السلام کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اللہ پاک کا دیدار کر لیں۔ عرض کر بیٹھے۔ **رَبِّ اَرِنِی اَنۡظُر اِلَیۡک** ۔ اللہ پاک میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ دربارِ الٰہی سے جواب ہوا۔ **لَنۡ تَرَانِی** ۔ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ **وَلٰکِنِ نۡظُرۡ اِلَی الۡجَبَلِ فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوۡفَ تَرٰنِیۡ ج فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلۡجَبَلِ جَعَلَهٗ دَکًّا وَ خَرَّ مُوۡسٰی صَعِقًا ج** اے موسیٰ تو پہاڑ کی طرف دیکھ۔ اگر وہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو پھر مجھے دیکھ سکو گے۔ جب اللہ نے تجلّی کی پہاڑ پر تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور موسیٰؑ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ حالانکہ کوہِ طور پر اللہ پاک نے صرف تجلّی ڈالی تھی۔ جب اس کی تجلّی برداشت نہ ہو سکی تو اس کو دیکھنا کیسے برداشت ہو سکتا تھا۔
تاہم اُس کے وجود، اُس کی قدرت اور اُس کی حکمت کی نشانیاں اِس کائنات میں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں جو زبانِ حال سے اِس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ وہ موجود ہے۔ فارسی کا ایک اور شعر ہے۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل

ہر کہ دیدن مِیل دارد در سخن بیند مرا

میں اپنی تحریر میں ایسے پوشیدہ ہوں جیسے کہ پھول کی خوشبو پھول کی پنکھڑی میں۔ جو میری دید کا خواہاں ہو وہ مجھے میری تحریر میں دیکھے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی قرآن اور اِس کائنات میں چھپی ہوئی لاتعداد نشانیوں کو نگاہِ شوق سے دیکھ لے تو وہ اُس کو پا لے گا۔ ایک اور شاعر کہتا ہے۔

جہاں میں ہر سو ہے اُس کا جلوہ کہاں نہیں ہے کدھر نہیں ہے

وہ ذرّے ذرّے میں جلوہ گر ہے مگر کوئی دیدہ ور نہیں ہے

ہمارا تیسرا سوال یہ تھا کہ اگر کائنات اور اِس میں موجود تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں تو (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ اِس سوال کا جواب قرآن یوں دیتا ہے۔

"وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور چھپا ہوا بھی، اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے۔" (سورۃ الحدید آیت ۳)

اللہ تعالیٰ اول اِس معنی میں ہے کہ اُس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی اور وہ ہمیشہ سے موجود ہے۔ وہ آخر اِس معنی میں ہے کہ جب اِس کائنات کی ہر چیز فنا ہو جائے گی تو وہ اُس وقت بھی موجود رہے گا۔ وہ ظاہر اِس لحاظ سے ہے کہ اُس کے وجود، اُس کی قدرت اور اُس کی حکمت کی نشانیاں اِس کائنات میں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں جو اِس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ وہ موجود ہے اور چھپا ہوا اِس معنی میں ہے کہ یہاں دنیا میں وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔

چیزوں کے آغاز و انجام کے بارے میں سوچنا دراصل ایک فطری بات ہے اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ انسان ہر چیز کو ایک سیدھے خط (Straight Line) کی طرح تصور کر کے اُس کے لئے دو نقاط آغاز و انجام (Two start and end points) لازمی سمجھتا ہے۔ لیکن اگر ہم سیدھے خط

(Straight Line) کی بجائے دائرے (Circle) کو ذہن میں رکھ کر سوچیں تو جس طرح دائرے کا ہر نقطہ (Point) آغاز بھی ہے اور انجام بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات خود اول بھی ہے اور آخر بھی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ حروف تہجی کا آغاز الف (A) اور ہندسوں کا آغاز ایک (I) سے ہوتا ہے اور ہم اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ ان حروف سے پہلے بھی کوئی حرف ہونا چاہئے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہمیں اللہ کو اول تسلیم کرنے کے لئے دلائل کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر بالفرض ایک لمحہ کے لئے یہ مان بھی لیا جائے کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ سے پہلے بھی کوئی ہستی تھی جس نے اللہ تعالی کو پیدا، کیا تو جس نے اللہ کو پیدا کیا اُس کو بھی کسی نے پیدا کیا ہوگا؟ اور اس طرح اگر ہم پیچھے چلتے جائیں گے تو کہیں نہ کہیں ہمیں رکنا ہوگا۔ جہاں پر ہم رک جائیں وہاں ہی ہمارا اللہ ہے۔

انسان جب اِس بات کو تسلیم کر لیتا ہے کہ اِس کائنات کا اور خود اُس کا کوئی خالق و مالک ہے تو پھر اُس کو لازماً یہ بھی سوچنا ہوگا کہ آخر اُس کی تخلیق کا کیا مقصد ہے؟ قرآن ہمیں اس بات کا بھی جواب دیتا ہے۔ قرآن کہتا ہے: "بڑی شان ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں ساری بادشاہی ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ جس نے موت اور زندگی اِس لئے پیدا کی تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ بہتر ہے۔" (سورۃ الملک آیت ا) بہتر عمل کی وضاحت بھی قرآن ہی کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے: "حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے۔" (سورۃ الاحزاب آیت ا) مطلب یہ ہے کہ انسان کا عمل اتنا ہی بہتر ہے جتنا وہ محمد ﷺ کے عمل کے قریب ہے۔ محمد ﷺ کی پاک زندگی کے ہر گوشے کو اُن کے جانثار صحابہ علیہ رضوان نے ذخیرۂ حدیث کی شکل میں محفوظ کیا۔ حدیث دراصل قرآن کی تشریح ہے۔ لہٰذا قرآن کی تعلیمات کی وضاحت کے لئے حدیث کا علم لازمی ہے۔

قرآن اور حدیث کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بہترین اعمال جو نبی کریم ﷺ کے بدن مبارک سے نکلے پانچ قسم کے ہیں۔

۱۔ عقائد۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور نبی کریم ﷺ کو اللہ کا آخری نبی تسلیم کرنا نیز فرشتوں، کتابوں، یومِ آخرت پر ایمان لانا وغیرہ۔

۲۔ عبادات۔ نماز، روزہ، زکواۃ، حج اور جہاد وغیرہ۔

۳۔ معاملات۔ لین دین میں جھوٹ نہ بولنا، دھوکہ نہ کرنا، خیانت نہ کرنا وغیرہ۔

۴۔ معاشرت۔ والدین، رشہ داروں، مہمانوں اور پڑوسیوں وغیرہ کے حقوق۔

۵۔ اخلاق۔ کبر، ریا، حسد وغیرہ جیسے رذائل کو چھوڑ نا اور اخلاص، تواضع، ہمدردی، خدمتِ خلق کو اختیار کرنا۔

انسان جب اِن تعلیمات پر عمل کرے گا تو وہ صفاتِ ملائکہ کا پیکر ہو کر مخلوقاتِ کائنات کے لئے فتنہ وفساد کے بجائے امن اور آرام کا باعث بنے گا۔ نیز محمد ﷺ کی زندگی سے ہمیں یہ رہنمائی بھی ملتی ہے کہ انسان نہ صرف خود اخلاقِ نبی ﷺ سے متصف ہو بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ و تلقین کرتا رہے۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اُس کو دوزخ کی ہولناکیوں سے بچا کر جنت کی لازوال نعمتوں سے مالا مال کرے گا۔ قرآن کہتا ہے: "اور تم میں سے کوئی نہیں ہے جس کا اس (دوزخ) پر گذر نہ ہو۔ اس بات کا تمہارے پروردگار نے حتمی طور پر ذمہ لے رکھا ہے۔ پھر جن لوگوں نے تقوٰی اختیار کیا ہے انہیں تو ہم نجات دے دیں گے، اور جو ظالم ہیں، انہیں اس حالت میں چھوڑ دیں گے کہ وہ اس (دوزخ) میں گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک انسان کو مرنے کے بعد یا تو ایسی کامیابی کا سامنا کرنا پڑے گا جس کے بعد کوئی ناکامی نہیں اور یا اُس کو ایسی ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا جس کے بعد کوئی کامیابی نہیں۔ قیامت کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

"جب آسمان چِر جائے گا، اور جب ستارے جھڑ پڑیں گے، اور جب سمندروں کو اُبال دیا جائے گا، اور جب قبریں اُکھاڑ دی جائیں گی، اُس وقت ہر شخص کو پتہ چل جائے گا کہ اُس نے کیا آگے

بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا۔اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے اس پروردگار کے معاملے میں دھوکا لگا دیا ہے جو بڑا اکرم والا ہے، جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے ٹھیک بنایا، پھر تیرے اندر اعتدال پیدا کیا؟ جس صورت میں چاہا، اُس نے تجھے جوڑ کر تیار کیا" (سورۃ الانفطار آیت ۱ تا ۸)

افسوس اِس بات پر ہے کہ اِس جہانِ آب و گل میں کھو کر ہم نہ صرف اللہ تعالی کو بھول گئے ہیں بلکہ اپنے بُرے بھلے کی تمیز سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالی تو ہر آن و ہر لحہ ہمیں اپنانے کے لئے تیار ہے مگر ہم ہی روٹھے ہوئے ہیں۔

شاعر مشرق علامہ اقبال نے اپنی کتاب 'زبورِ عجم' میں اِس مضمون کی مناسبت سے ایک پوری غزل لکھی ہے اور اسی پر ہم اپنی گفتگو کو ختم کرتے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں۔

ما از خدائے گم شدیم او بہ جستجوست
چو ما نیاز مند و گرفتارِ آرزوست

ہم خدا کو بھول گئے ہیں لیکن وہ ہمیں نہیں بھولا اور وہ ہم سے زیادہ ہماری ملاقات کا خواہشمند ہے۔

گاہے بہ برگِ لالہ نویسد پیامِ خویش
گاہے درونِ سینۂ مُرغاں بہ ہاو ہوست

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کبھی اپنا پیغام گُلِ لالہ پر لکھتا ہے اور کبھی پرندوں کی آواز میں سناتا ہے۔

در نرگس آرمید کہ بیند جمالِ ما
چنداں کرشمہ داں کہ نگاہش بہ گفتگوست

وہ نرگس کی آنکھ میں بیٹھا مجھے دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے ذریعے سے مجھ سے گفتگو کرتا ہے۔

آہے سحر گہے کہ زند در فراقِ ما
بیرون و اندرون زبر و زیر و چار سوست

صبح کے وقت جو میری جدائی کی آہ بھرتا ہے تو وہ آہ اندر باہر اوپر نیچے چاروں طرف پھیل جاتی ہے۔

ہنگامہ بست از پئے دیدارِ خاکئے

نظارہ رابہانہ تماشائے رنگ و بوست

یہ سب ہنگامہ میری خاکِ مشت کو دیکھنے کے لئے ہے اور یہ سب نظارے رنگ و بو اُسی کے لئے ہیں۔

پنہاں بہ ذرہ ذرہ و نا آشنا ہنوز

پیدا چو ماہتاب و بآغوشِ کاخ و کوست

وہ ہر ذرے میں پنہاں ہے اور پھر بھی ہم سے نا آشنا ہے، چاند میں آشکارا ہے اور ہر محل و کوچے میں بیٹھا ہے۔

در خاکدانِ ما گہرِ زندگی گم است

ایں گوہرے کہ گم شدہ مائم یا کہ اُوست؟

میری مشتِ خاکی میں زندگی کا گوہر گم ہے۔ یہ گوہر جو گم ہے یہ میں ہوں یا وہ ہے؟

حوالہ جات (References)

۱۔ http://www.muslimjesus.net/BibleandScience.php

۲۔ بائبل سے قرآن تک (مفتی تقی عثمانی صاحب)، تحریفِ بائبل بزبانِ بائبل (مولانا عبدالطیف صاحب)

۳۔ http://en.wikipedia.org/wiki/Uthman_Qur%27an

http://en.wikipedia.org/wiki/Topkapi_manuscri

۴۔ علوم القرآن (مفتی تقی عثمانی صاحب)، محاضرات قرآنی (ڈاکٹر محمود احمد غازی)

۵۔ http://youtu.be/kkPvXO5q8EM

۶۔ http://youtu.be/CFq6E012J4U

۷۔ http://youtu.be/CTJ1HrV36IE

۸۔ http://youtu.be/y_Xek3DGrao

تاریخی حقائق اور پاکستانی سیاست نیز صوبائی اور مرکزی حکومتیں

(حضرت ڈاکٹر حاجی فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

ریاست کی تعریف میں علمائے شہریت کہتے ہیں کہ ریاست تین چیزوں کا نام ہے۔

۱۔ علاقہ اور زمین (Territory)

۲۔ عوام (Public)

۳۔ اقتدارِ عالیہ (Sovereignty)

یعنی ایک ایسا علاقہ ہو جس پر کچھ عوام بستے ہوں اور انھوں نے مل کر ایک حکومت قائم کی ہو۔ یہ حکومت خارجی طور سے آزاد ہو یعنی خارجی دنیا کے ساتھ آزادانہ تعلقات قائم کرسکتی ہو۔

ریاست کے تینوں عناصر پر بحث کی جائے تو زمین بغیر عوام کے کچھ چیز نہیں اور عوام ہوں تب حکومت قائم ہوسکتی ہے اور اقتدارِ عالیہ وجود میں آتا ہے۔ نیز ہر کام کے لئے خرچ اخراجات اور فنڈز کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ پیسے عوام کی زراعت، صنعت و حرفت، ملازمت اور تجارت کے ذریعے ہوا کرتے ہیں۔ عوام کے پیسوں کو ہی استعمال کر کے اقتدارِ عالیہ عدلیہ، سیاسیہ، عسکریہ اور انتظامیہ کی شکل میں وجود میں آتا ہے۔ یہ چاروں شعبے جو اقتدارِ عالیہ بنتے ہیں عوام کی کمائی، ان کے ٹیکس کو لے کر اپنے کام چلاتے ہیں۔ اس لئے ریاست کا اہم ترین عنصر عوام (Public) ہیں جن پر ریاست کا دارومدار ہے۔ ان کے بغیر ریاست کا وجود باقی نہیں رہ سکتا۔

کسی بھی ریاست کے عوام سارے کے سارے ایک ہی نظریہ، ایک ہی مذہب، ایک ہی زبان، ایک ہی رنگ و نسل کے نہیں ہوتے ہیں بلکہ عوام گروہوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ان گروہوں کی بنیادیں نظریات، عقائد، مذاہب، زبان، رنگ و نسل پر ہوتی ہیں۔ چنانچہ پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کے دوران اگر برطانیہ Patriotism (حُبّ الوطنی) کے نظریے پر کھڑا ہوا تو مقابلے میں

جرمنی کا نعرہ Nationalism یعنی قومیت کا تھا۔ اس طرح دنیا میں کالے رنگ گورے رنگ پر انسان منظّم ہوئے، زبان کی بنیاد پر منظّم ہوئے۔

تنظیم کی سب سے مضبوط بنیاد مذہب ہے جس کو لوگ مقدس، آسمانی اور روحانی چیز سمجھتے ہیں اور اس سے والہانہ وابستگی ہوتی ہے۔ چنانچہ ریاستی اقتدار عوام کے درمیان موجود مختلف بنیادوں پر منظّم شدہ لوگوں اور گروہوں کے گرد ہی گھومتا ہے۔ علمائے سیاسیات کے مطابق جس گروہ کی اکثریت ہو اور ان میں اپنے مقصد پر اپنے گروہ کے ساتھ جمع ہونے کا جذبہ بھی ہو۔ پھر ان میں شجاعت سخاوت بھی ہو تو وہی حکومت پر چھا جاتے ہیں۔ عوام کی اس حیثیت کو سامنے رکھ کر جو حکومتیں بنتی ہیں وہی کامیاب ہوتی ہیں اور ایسی ریاستیں کامیاب ریاستیں قرار دہ جاتی ہیں۔ عوام کی اس حیثیت کو جس میں ان کی اکثریت، خواہ پیچھے دی گئی جن بنیادوں پر بھی ہو، کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس کے نتیجے میں ایک ناکامیاب ریاست وجود میں آتی ہے جس نے کسی نہ کسی وقت افراتفری کا شکار ہو کر ختم ہو جانا ہوتا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں جتنے طالع آزما اور فتوحات کے شوق میں بڑھنے والے اسلحے کے زور پر کشت وخون کر کے اقتدار پر قبضہ کرتے رہے بالآخر انھیں نقصان اٹھا کر اُسے چھوڑنا پڑا۔

انگریز برصغیر (موجودہ پاکستان اور ہندوستان) پر اسلحے کے زور پر چڑھ دوڑا اور لاکھوں مسلمانوں کا خون بہا کر اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ لیکن چونکہ عوام کے بنیادی اکثریتی حق کو پامال کر کے کیا تھا اس لئے ظلم وستم کے دوسو سال اسلحے کی نوک پر حکومت کرنے کے باوجود انھیں انتہائی بے بسی سے علاقہ خالی کرنا پڑا اور مخلوق کے خالق کی قدرتی ترتیب پر اقتدار علاقے کے دو بڑے گروہوں مسلمان اور ہندوؤں کے حوالے کرنا پڑا۔ جمہوریہ جنوبی افریقہ (Republic of South Africa) پر انگریزوں اور ڈچوں (Dutch) نے اسلحے کے زور پر قبضہ کیا لیکن آخرکار بے سر وسامان سے لوگوں نے نیلسن منڈیلا کی قیادت میں تحریک چلائی تو قدرت کے اسی قانون کے سامنے

اسلحے، ظلم اور بربریت کو سرنگوں ہونا پڑا۔

امریکہ نے ویتنام میں عوام کے خلاف دس سال کے عرصے سے زیادہ جنگ لڑی۔ اسلحہ کا بے دریغ استعمال کیا۔ اپنے فوجیوں کے تابوت پر تابوت اٹھائے۔ مال تباہ ہوا۔ آخرکار عوام سے ٹکرانے والے قانون نے ایک سپر پاور کو بے سروسامان عوام کے آگے سرنگوں ہونے پر مجبور کردیا۔ روس سپر پاور ہونے کے نشے میں افغانستان کے مسلمانوں کے خلاف میدان میں اترا۔ جو حکومت افغانستان میں موجود تھی اس نے روس کا ساتھ دیا۔ عوام کی اسلامی حیثیت کو کچلنا چاہا۔ مقامی کمیونسٹ (Communist) حکومت اور روس جیسی سپر پاور ۱۰ سال سر مارتے رہے لیکن آخرکار قوانین قضا و قدر جس نے عوام کو ریاست کا اصلی عنصر قرار دیا اس کے آگے سپر پاور روس اور مقامی حکومت کو سرنگوں ہونا پڑا۔ اور ایسی ذلت آمیز شکست کے ساتھ نکلے کہ روس ہی ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔

طالبان کی شرعی حکومت کو کچلنے کے لئے امریکہ افغانستان میں اترا۔ یہاں بھی ایک ملک کی فوج دوسرے ملک کی فوج کے مقابلے میں نہیں تھی بلکہ امریکی فوج افغانی عوام اور عوام کے ایک مضبوط اسلامی دینی نظریاتی گروہ کے مقابلے میں تھی۔ روس تو اکیلا اترا تھا۔ امریکہ پورے درجن سے زیادہ اتحادی ممالک کو ساتھ لے کر میدان میں اترا۔ عوام اور پھر عوام میں بھی دینی نظریاتی گروہ واقعی ناقابلِ تسخیر (جس کو فتح نہ کیا جاسکے) ہوتا ہے۔ وہی ہوا جو تاریخ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ ۱۳ سال ضائع کرنے کے بعد مقصد حاصل کئے بغیر عوام کے ہاتھوں خوب پٹ کر واپس ہورہا ہے۔

دشمن نے پاکستان کے مشرقی بازو کے لوگوں کو دوقومی مسلم ہندو نظریے سے ہٹا کر بنگالی قومیت کے نظریے پر منظّم کرلیا۔ چنانچہ یہ منظّم بنگلہ قومی نظریے والا گروہ بنگلہ دیش بنانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس وقت کے بے وقوف ڈکیٹیٹر یحییٰ خان نے اسلحے اور فوج کے زور سے مقابلے کی ٹھان لی۔ پھر وہی بات دہرائی گئی یعنی طاقت کا مقابلہ عوام کے ساتھ۔ میری معلومات تو یہی ہیں کہ ایک طرف ۹۳۰۰۰ فوج تھی جب کہ دوسری طرف عوام کی تنظیم مکتی باہنی (Liberation

(Army تھی۔ اگر میری معلومات خطا نہ کریں تو مکتی باہنی نے ہی ۹۳۰۰۰ ہزار کو بے بس کر دیا تھا۔ یہ فوج انڈیا کے خلاف نہیں لڑ رہی تھی۔ انڈیا کی فوج صرف آخر میں ترانویں ہزار سے ہتھیار ڈلوانے کے لئے ڈھاکہ میں داخل ہوئی۔ سدا بہار قانون پھر دہرایا گیا کہ عوام کے خلاف کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوتی۔ کامیاب ہو بھی ہو جائے تو کسی نہ کسی وقت اُس کو ختم ہونا ہوتا ہے۔

پاکستان کے موجودہ حالات پر نظر ڈالی جائے تو پاکستانی قومیّت نوے فیصد سے زیادہ مسلمان ہے۔ اقلیّتوں میں قادیانی، ہندو، سکھ، عیسائی، پرویزی وغیرہ ہیں۔ ان اقلیتوں کے علاوہ دو فیصد اہلِ تشیع ہیں جو اپنے مخصوص عقائد اور سیاسی وابستگیوں اور ترجیحات کے ساتھ ہیں۔ ساری پاکستانی قومیت پر نظر ڈالی جائے اور ہندوستان کی ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی، پاکستان کی روس کے خلاف جہاد کی تاریخ، سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ کی تحریک اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ اس ملک میں فعال (active) اور چھا جانے والا (dominant) گروہ علمائے دیوبند کا ہی ہے جنھوں نے اوپر ذکر کی ہوئی ساری تحریکیں چلائی ہیں۔ تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی تحریک میں اہلِ حدیث اور بریلویوں کو انگریزوں کا ساتھ دینا پڑا۔ اس بات کے تحریری ثبوت لندن کی لائبریری کی شاخ انڈیا آفس ریکارڈ میں اب تک موجود ہیں۔ افغانستان میں روس کے خلاف جہاد میں تو بریلوی حضرات ایک آدمی تک نہیں بھیج سکے۔ اکثریت اہلِ دیوبند، کچھ اہلِ حدیث اور جماعت اسلامی نے ہمت کی۔ جماعت اسلامی کو تو جہاد کے انتظام کے ٹھیکوں میں کافی مالی مفادات بھی ملے۔ بے لوث شمولیت ابنائے دیوبند (Sons of Deoband) کی ہی ہوئی جنھوں نے فقط شہادت کے مفاد کے لئے ہی اس منصوبے میں حصہ لیا۔

مختلف مواقع پر دیکھنے میں آتا ہے کہ مرکزی اور صوبائی حکومتیں اقلیت کے تھوڑے سے طبقات کے ناجائز مطالبات، ناجائز جلسے جلوس کے آگے ہتھیار ڈال دیتی ہیں۔ انھیں کُشت وخون کی کھلی چھٹی دے دیتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں عوام کا جمِ غفیر اور اس کا انتہائی فعال طبقہ دیوبند

مکتبِ فکر جس نے تحریکِ پاکستان اور مختلف اہم قومی معاملات میں بھرپور حصہ ڈالا اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے بلکہ اس کو احساسِ محرومی دلایا جاتا ہے۔ یہ وہی غلطی ہے جو عوام کے خلاف گزشتہ تاریخ میں مختلف قومیں کرتی رہی ہیں اور عوام سے ٹکرا کر اپنے آپ کو نیست و نابود کرتی رہی ہیں۔ ان حقائق کو پیش نظر رکھ کر اور سمجھ کر ان کی روشنی میں اقدامات اٹھا کر درست فیصلے کرنے ہیں۔ یہی بقا اور حفاظت کا سامان ہے۔ کاش کہ متعلقہ افراد سمجھیں اور اپنے آپ کو عوام کے ساتھ ٹکراؤ میں لا کر نیست و نابود ہونے سے محفوظ رہیں۔

ملاگاسی (مدغاسکر Madagascar) میں ۸۰۔۱۹۷۹ میں انقلاب آیا جس کے نتیجے میں کمیونسٹ حکومت وجود میں آئی۔ مذہب کا نام مٹانے کے لئے انھوں نے خاص طور سے مسلمانوں کو نشانہ بنایا اور ملک سے نکال دیا۔ ملک مشکل میں مبتلا ہو گیا کیونکہ یہی مسلمان کاروبار سنبھالے ہوئے تھے اور مختلف ضروری اشیاء ملک کے اندر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر کے بیچنے کا روزگار کر رہے تھے۔ اپنی روزی بھی کما رہے تھے ٹیکس بھی دے رہے تھے جس کو کھا کر سیاسیہ، عدلیہ، عسکریہ اور انتظامیہ کام کر رہے تھے۔ مجبور ہو کر حکومت نے ان مسلمان عوام کو واپس بلایا تاکہ لوگوں کو ضروریات نہ ملنے کی مشکل سے نکالا جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع انشاءاللہ بروز ہفتہ ۲۲ مارچ ۲۰۱۴ء کڑی شیخان نظام پور روڈ میں منعقد ہوگا۔ بیان مغرب کی نماز کے بعد ہوگا۔ ساتھی ظہر کی نماز کے بعد خانقاہ سے روانہ ہوں گے۔

برائے رابطہ 0313 955 10 30

گھر کا سکون: ایک آرزو ھے سب کی قسط۔۱

(اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب، ڈیپارٹمنٹ آف میڈیسن، کوہاٹ میڈیکل کالج)

اللہ تعالیٰ نے گھریلو سکون کے لئے کچھ ضابطے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ اگر اس پر چل کر میاں بیوی اپنی زندگی گزاریں تو گھر جنت کا نمونہ بنتا ہے اور اگر اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے زندگی بسر کریں تو جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔ شوہر بھی نیک ہو اور باطنی رذائل سے پاک ہو اور بیوی بھی نیک اور خبثِ باطن سے پاک ہو۔ شوہر بھی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی جستجو میں ہو اور بیوی بھی اللہ کو راضی کرنے میں ہمہ تن مشغول ہو تو گھر میں سکون راحت اور بالطف زندگی میسر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔

فَلَنُحۡیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً (پ۱۴ر۱۹ آیت ۹۷)

ترجمہ۔ تو ہم اس کو بالطف زندگی دیں گے۔

بعض علماء نے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حیاتِ طیبہ سے مراد وہ زندگی ہے جو نیک اور صالح بیوی کے ساتھ گزرے۔ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ایمان کے بعد بندے کو نیک بیوی سے بہتر کوئی نعمت حاصل نہیں ہوتی۔ ان میں سے بعض عورتیں اتنی اچھی ہوتی ہیں کہ دنیا کی کوئی چیز ان کا بدل نہیں بن سکتی اور بعض گردن کا طوق ہوتی ہیں۔ کسی بھی فدیہ کے عوض ان سے رہائی نصیب نہیں ہوتی۔ (احیاء العلوم جلد دوم ص ۵۷)

میرے پاس ایک نیک عورت جس کی عمر کا بیشتر حصہ گزر چکا تھا اپنے بوڑھے بیمار شوہر کے ساتھ آئی۔ اس کے شوہر کی عمر تقریباً ۹۰ سال کے قریب تھی۔ مریض ایک چارپائی میں اٹھا کر لائے تھے۔ انتہائی کمزور اور ضعیف حالت تھی اس بیمار کی۔ نقاہت کی وجہ سے سیدھا لیٹا ہوا تھا۔ سفرِ آخرت کا ظاہری سبب آنکھوں سے دیکھا جا سکتا تھا۔ ساتھ آئی ہوئی عورت نے بڑے درد کے ساتھ مریض کی حالت بیان کی۔ بیٹے بیٹیاں سب موجود تھے۔ لیکن اس وقت ایک ہی بیٹا تھا۔ اس نے کہنا شروع کیا:

"ڈاکٹر صاحب یہ چارپائی پر ہی پیشاب پاخانہ کر دیتے ہیں۔ کچھ دنوں سے چونکہ دست ہیں اس لئے کپڑے بدلتے ہوئے تکلیف زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ کبھی کبھار الٹیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ ہلکا ہلکا بخار ہر وقت رہتا ہے۔ درد کی فریاد بہت زیادہ کرتے ہیں۔ میں اپنی کوشش پوری کرتی ہوں ان کی خدمت کی۔ میری بوڑھی ہڈیوں میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ انھیں سنبھال سکوں۔ اپنی طرف سے پورا خیال کرتی ہوں لیکن یہ پھر بھی خفا ہو جاتے ہیں۔ پانی چائے میں خود ان کے منہ میں ڈالتی ہوں۔ ہر وقت ساتھ ہی رہتی ہوں۔ تھوڑی ادھر اُدھر ہو جاؤں تو یہ آواز دے کر بلا لیتے ہیں۔ آپ کوئی ایسی دوا لکھ دیں کہ ان کا پیشاب پاخانہ وقت پر ہو جائے اور بخار ختم ہو جائے تاکہ ان کو راحت ہو۔ ان کو راحت ہو گی تو مجھے بھی راحت ہو گی۔ بعض اوقات ان کے درد سے کراہنے کی وجہ سے ان کی تکلیف کے احساس سے میں رونا شروع کر دیتی ہوں۔ مجھے روتا دیکھ کر یہ بھی روتے ہیں۔"

میں نے ان کو تسلی دی اور مریض کا معائنہ کر کے دوائی لکھ دی۔ ساتھ میں ان کی خدمت کو سراہا اور آخرت میں ملنے والے انعامات جو مجھے یاد تھے ان کو سنائے۔ جاتے ہوئے میں نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کوئی دوسری عورت یا مرد یعنی بیٹے بیٹیاں یا بہوئیں ان کی خدمت میں ہاتھ نہیں بٹاتیں؟ جواب میں کچھ آنسو جھریوں بھرے چہرے پر ڈھلک گئے جن کو ضبط کرنے کی اس نے پوری کوشش کی لیکن اندر کا حال ظاہر ہونا تھا ہو گیا۔ اس نے جواب میں بڑی فہم والی بات کی۔ "ڈاکٹر صاحب ان کی خدمت میرے ذمے ہے اور مجھے ہی اس کا حساب دینا ہے۔ ساری زندگی کا ساتھ دیا ہے انھوں نے۔ میرے لئے بھی تو انھوں نے سختیاں جھیلی ہیں۔ گھر میں آرام سے بٹھائے مجھے دکھ نہ دیکھنے دئے انھوں نے۔ آج یہ محتاج ہیں۔ مجھ میں جتنا دم ہے ڈاکٹر صاحب میں ان کی خدمت کرتی رہوں گی"۔ یہ الفاظ کہہ کر وہ رخصت ہو گئی۔ کتنے خوبصورت انداز میں غیبت سے بچتے ہوئے اپنے گھر کے حالات بتا گئی۔ اپنی اولاد پر خدمت نہ کرنے کا پردہ بھی ڈال گئی اور بیوی کے حقوق بھی اور شوہر سے محبت کا اظہار بھی کر گئی۔ واقعی اللہ کی نیک بندیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ آنے والی تکالیف کا محض اللہ کی رضا کے لئے

خندہ پیشانی سے برداشت کرنا ایمانی وصف ہے اور گناہوں کا کفارہ بھی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مومن بندہ مرد ہو یا عورت برابر تکلیفوں میں مبتلا کیا جاتا ہے اور یہ تکلیف اس کی جان میں یا مال میں یا اولاد میں آتی رہتی ہیں۔ ان تکلیفوں کی وجہ سے مومن بندہ اس حال میں ہو جاتا ہے کہ اس پر کوئی بھی گناہ باقی نہیں رہتا۔'' 5 (رواہ الترمذی رواہ مالک وقال الترمذی ہذا حدیث حسن صحیح) (تحفۂ خواتین ۷۷۵)

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کو جو بھی کچھ دکھ تکلیف، تھکن اور پریشانی، رنج اور تکلیف اور گھٹن پہنچ جائے تو اس کے ذریعے اللہ پاک اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دیتے ہیں حتیٰ کہ اگر کانٹا بھی لگ جائے تو وہ بھی گناہوں کے معاف ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ (تحفۂ خواتین صفحہ ۷۷۶)

ایک بوڑھی عورت اپنے شوہر کے ساتھ میرے پاس آئی۔ شوہر کی عمر ۷۰ سال کے لگ بھگ اور اس کی عمر ۶۰ سال کے لگ بھگ۔ شاید عمریں زیادہ بھی ہوں لیکن ان کی زبانی یہی عمریں تھیں۔ آدمی خود بیمار تھا۔ بخار کے ساتھ ہڈیوں میں درد جیسی عام سی شکایات تھیں۔ میں نے بیمار کا معائنہ کیا۔ عورت کو پاس رکھی کرسی پر بیٹھنے کو کہا لیکن وہ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد دوبارہ بیمار کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ اس نے بیمار کے پاؤں پر ہاتھ رکھ دئے اور ایک چاہت کے ساتھ اپنے شوہر پر نظریں جما دیں۔ اس کے اندر کا کرب جو وہ شوہر کی تکلیف پر محسوس کر رہی تھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ میں نے معائنہ سے فارغ ہو کر اس عورت کے احساسات کو مدنظر رکھ کر اس سے تسلی کے الفاظ کہے۔ وہ بدستور اپنے شوہر کے پاس کھڑی رہی حالانکہ میں اسے دو دفعہ بیٹھنے کا کہہ چکا تھا۔ میں نے دل لگی کے واسطے اس عورت سے کہا: ''خالہ گھر میں بھی ایسا ہی خیال کرتی ہیں جیسا یہاں پر اظہار کر رہی ہیں؟'' اس نے جواباً کہا: ''کیوں نہیں۔ اس سے بھی زیادہ خیال رکھتی ہوں۔ اس نے جو میرا خیال رکھا۔'' میں نے کہا: ''آپ کو تو اس کے ساتھ بہت ہی تعلق ہے۔ میں نے تو اکثر عورتوں کو آخری عمر میں

اپنے خاوندوں کو کوستے ہی دیکھا ہے جب کہ آپ کا حال اس کے برعکس ہے“۔اس نے جواب دیا: ”ڈاکٹر صاحب اس نے دو دفعہ مجھے اللہ پاک کے گھر کی زیارت کروائی ہے اور دو دفعہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضری ہوئی۔ مجھے دیکھو اور وہاں کے دیدار کو دیکھو۔ یہ جب بھی گیا مجھے ساتھ ہی لے گیا۔کیا میں اس کا خیال نہ رکھوں گی؟ کیا انسان جب بوڑھا اور بیمار ہو جائے تو اسے ایسے ہی چھوڑ دیا جائے؟“ ان الفاظ کے ساتھ اس کی آواز رندھ گئی۔ میں خاموش ہو گیا۔ میرے پاس بولنے کے لئے مزید الفاظ نہ تھے۔ایسی محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے! نہ دیکھا نہ بھالا۔غیب پر ایمان اور ولولہ محبت کا۔اس نے اپنے شوہر کو معائنہ کی جگہ سے اٹھنے میں مدد دی اور سہارا دے کر باہر لے گئی۔ میں کچھ دیر ان کو جاتا دیکھ کر دوسرے بیمار کی طرف متوجہ ہو گیا۔میں ان کے محبت بھرے رہن سہن کو سوچتا رہا۔واقعی اللہ کی خاص عنایت تھی ان پر۔شروع کی زندگی اچھی گزرے تو پچھلی عمر کا ساتھ بہت سے غموں کا علاج بن جایا کرتا ہے۔شوہر بیوی کے بارے میں اللہ سے ڈرے اور بیوی شوہر کے حق میں اللہ سے ڈرے۔مقصد اللہ کو راضی کرنا ہو تو گھر جنت نذیر بن جاتا ہے اور اگر دونوں ہی ساری عمر اپنے حق کے حصول میں زندگی گزاریں اور ہر وقت میرا حق میرا حق کی صدا گھر میں گونجتی رہے تو گھر جہنم کا گڑھا بن جاتا ہے۔نہ دن کا چین نہ رات کا سکون۔

صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا: ”لوگو! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔تم نے اللہ کی امانت سے انھیں لیا اور اللہ کے کلمہ سے ان کی شرم گاہوں کو اپنے لئے حلال کیا۔عورتوں پر تمھارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے فرش پر کسی ایسے کو نہ آنے دیں جس سے تم ناراض ہو،اگر وہ ایسا کریں تو انھیں مارو لیکن ایسی مار نہ مارو کہ ظاہر ہو۔ ان کا تم پر یہ حق ہے کہ انھیں بساط کے مطابق کھلاؤ، پلاؤ، پہناؤ اور اوڑھاؤ۔“

(بکھرے موتی جلد دوم ص ۱۷۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْنَ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ص　　(سورۃ بقرہ آیت ۲۲۸)

(ترجمہ) اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا حق ہے دستور کے مطابق۔

ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہماری عورتوں کے ہم پر کیسے حق ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ، اس کے منہ پر نہ مارو، اسے گالیاں نہ دو، اس سے روٹھ کر اور کہیں نہ بھیج دو، ہاں گھر میں ہی رکھو۔''

اسی آیت کو پڑھ کر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے میں بھی اپنی زینت کروں جس طرح وہ مجھے خوش کرنے کے لئے اپنا بناؤ سنگھار کرتی ہے۔　　(تفسیر ابنِ کثیر: ۳۱۳/۱　بکھرے موتی جلد دوم صفحہ ۱۷۴)

مرد حضرات عموماً اپنی عورتوں سے کافی توقعات وابستہ رکھتے ہیں اور ان توقعات پر پورا نہ اترنے کی صورت میں وہ ناراض ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح عورتیں اپنے گھر والوں سے۔ اور توقعات میں فرق آنے پر گھر میں بے چینی کی فضا قائم کر دیتی ہیں۔ جب مرد باہر جاتے ہیں تو اپنے آپ کو مزیّن کرنے کی بھرپور کوشش ہوتی ہے۔ اچھے سے اچھا جوڑا پہنیں گے، خوشبو لگائیں گے، بالوں میں کنگھی ضروری سمجھیں گے، کپڑوں میں داغ ہو تو جوڑا بدلیں گے، الغرض جس طرح ممکن ہو شیشے میں مختلف زاویوں سے اپنے کو پرکھتے ہوئے باہر کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں۔ ہمیشہ نیت باہر کے لوگوں کو متاثر کرنے کی ہوتی ہے الاّ ماشاء اللہ۔ کوئی اللہ کا نیک بندہ اللہ کو راضی کرنے کی نیت کرتا ہو لیکن عموماً حال سب کا یہی ہے۔ ان مرد حضرات نے گھر میں ایسا لباس پہنا ہوگا جس کو باہر استعمال کرنے میں شرم محسوس کریں گے۔ ہمارا دین ہمیں کیا سکھاتا ہے؟ ہم اگر گھر سے باہر زینت پسند کرتے ہیں تو گھر میں رہ کر بھی زینت اختیار کی جاسکتی ہے۔ صرف نیت بدلنے کی ضرورت ہے۔ لوگ خوش ہوں نہ ہوں اگر اپنے گھر والوں کو خوش کرنے کے لئے زینت اختیار کریں گو تو اللہ پاک خوش ہوگا اور گھر میں بھی اس نیت کے اثرات اور ثمرات نظر آئیں گے۔ حضرت سلیم ابو عامر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر یمانی چادر دیکھی جس کی قیمت سو درہم تھی۔ حضرت محمد بن ربیعہ بن حارثؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے صحابہ اپنی عورتوں کو لباس میں اتنی وسعت دیتے تھے جس سے گرمی سردی سے بچاؤ اور آبرو کی حفاظت اور زینت حاصل ہو سکے۔ چنانچہ میں نے حضرت عثمانؓ پر ریشم ملے ہوئے اونی کپڑے کی ایک چادر دیکھی جس کی قیمت دو سو درہم تھی اور جس کے کناروں پر حاشیہ تھا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا: ''یہ چادر (میری بیوی حضرت) نائلہ کی ہے۔ میں نے انھیں پہننے کو دی تھی، اب میں انھیں خوش کرنے کے لئے خود پہن رہا ہوں۔'' (حیاۃ الصحابہ۔ حصہ دوم صفحہ ۸۹۶)

میں اپنی حالت بدلنا پسند نہیں کرتا اور توقع رکھتا ہوں اپنے گھر والوں سے کہ وہ اپنے آپ کو بدلیں۔ نتیجہ دل میں بدگمانی کی وجہ سے بیوی کے خلاف کدورت کی شکل میں نکلتا ہے۔ دل سے دل کی طرف جو شعاع جاتی ہے اس کے ردِ عمل میں وہی شعاع منعکس ہو کر لوٹتی ہے جس کی وجہ سے گھر کا موحول کشیدہ ہی رہتا ہے۔

حضرت ابو اسحاق سُبَیعیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی بیوی میلی کچیلی پرانے کپڑوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے پاس آئی۔ انہوں نے پوچھا: ''تمہیں کیا ہوا ہے جو تم نے ایسی شکل وصورت بنا رکھی ہے؟'' ان کی بیوی نے کہا: ''حضرت عثمان بن مظعونؓ رات بھر عبادت کرتے ہیں اور دن بھر روزہ رکھتے ہیں''۔ کسی نے یہ بات حضور ﷺ کو بتائی۔ جب حضور کی حضرت عثمان بن مظعونؓ سے ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ ان پر ناراض ہوئے اور فرمایا: ''کیا تم میرے نمونہ پر نہیں چلتے ہو؟'' انھوں نے کہا: ''کیوں نہیں۔ اللہ مجھے آپ ﷺ پر قربان کرے۔'' (اس کے بعد انھوں نے اپنے آپ کو بدلا اور گھر والوں کا خیال شروع کیا) اس کے بعد ان کی بیوی اچھی شکل و صورت میں عمدہ خوشبو لگا کر ازروج مطہرات کے پاس تشریف لائیں''۔ (حیاۃ الصحابہ۔ حصہ دوم صفحہ ۸۷۳)

میں نے بہت لوگوں سے ان کی نجی جگہ پر اور باہر ملاقات کی ہے۔ سب اس مرض میں مبتلا ہیں۔ ایک آدمی کے پاس کسی کام کے سلسلے میں اس کے گھر پر گیا۔ وہ آدمی مجھ سے اس حال میں ملا

کہ پرانی سی قمیض جس پر سلوٹیں ہی سلوٹیں، چہرا اترا ہوا، کوئی چاشنی چہرے پر نہیں، جسم سے کسی خوشبو کا احساس نہیں حالانکہ باہر کی ملاقات میں، جوان سے بار ہا ہوئی، ہمیشہ خوشبو میں معطر، چہرا چمکتا ہوا (تیل لگا ہوا) تروتازگی کا مظہر۔ میں ان سے مل کر واپس ہوا۔ چھٹی کے دن اپنی حالت کو اچھا بنانا چاہئے۔ اگر رات کو بستر سے اٹھا ہوا انسان ایسی حالت میں باہر نکلے ملاقات کے لئے تو دوسری بات ہے یا کوئی ایسے کام میں مصروف ہو جس میں کپڑے درست نہ رکھنا ضروری ہو تو اور بات ہے ورنہ اپنے آپ کو باہر لوگوں کی خاطر مزین کرنے سے زیادہ گھر میں مزین رہنا چاہئے۔ اکثر گھر والیوں کو شکایت کرتے سنا کہ ڈاکٹر صاحب یہ باہر مخلوط ماحول میں رہنے کے لئے زیادہ تیاری کرتا ہے۔ اگر ان سے بات کی جائے کہ آپ ایسے کیوں کرتے ہیں تو جواباً کہتے ہیں کہ اچھا اور صاف ستھرا لباس اپنی نفاست پسندی اور سنت کو سامنے رکھ کر اختیار کرتے ہیں۔ اچھا لباس پہنیں گے تو باہر کے لوگ عزت کرتے ہیں۔ باہر خوشبو لگا کر جانا سنت ہے، وغیرہ۔ ساری بات اپنی جگہ درست ہے لیکن کبھی اپنی نیت کو بھی ٹٹول کر دیکھا ہے کہ یہ سب زینت میں کیوں کر رہا ہوں۔

حضرت امام غزالیؒ احیاء العلوم جلد سوئم صفحہ ۵۲۷ میں تحریر فرماتے ہیں:

''لباس کے ذریعے کبر کرنے والے کی علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو دیکھ کر پُر تکلف بناؤ سنگھار کرے اور جب تنہا ہو تو کچھ پروا نہ کرے جب کہ نفاست پسندی کی علامت یہ ہے کہ وہ ہر حال میں نفاست کا طالب ہو، خواہ لوگو کے ساتھ ہو یا تنہا، یا گھر کے تہہ خانے میں ہو، اس لئے نفاست پسندی کبر نہیں ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''کھاؤ اور پیو اور پہنو اور صدقہ دو نہ اسراف کے ساتھ اور نہ تکبر کے ساتھ۔''

(سنن ابنِ ماجہ۔ احیاء العلوم جلد سوم ص ۵۲۷)

اپنے بننے ٹھننے کا موازنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے کریں تو اپنے گھٹیا پن کا دیکھنا مشکل

نہیں ہوگا۔ میں یہ لباس اور زینت گھر الوں کے لئے کروں اور بتاؤں بھی کہ یہ لباس میں نے یہ خاص تمہارے لئے پہنا ہے تو بیوی کو بھی اطمینان رہے گا کہ میرا خیال رکھنے والا ہے اور پھر وہ بھی اپنے شوہر کے لئے ہی زینت کو اختیار کرنا پسند کرے گی۔ آج کل یہی ہے کہ بیوی ہو یا شوہر وہ کبھی بھی زینت آپس لے لئے اختیار نہیں کرتے۔ عورتوں کو دیکھیں گے تو باہر جاتے ہوئے خوب بن ٹھن کر جائیں گی اور مردوں کو دیکھیں تو وہ بھی اس مرض میں مبتلا نظر آئیں گے۔ گھر میں سکون کیونکر آسکتا ہے آئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو دیکھتے ہیں۔

ابو سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید الخدریؓ سے دریافت کیا کہ لوگوں نے کھانے پینے، پہننے، رہنے سہنے اور سواری میں جو اختراعات کی ہیں ان کے سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اے بھتیجے! اللہ کے لئے کھاؤ، اللہ کے لیے پیو، اللہ کے لئے پہنو، ان میں سے جس چیز میں بھی تکبر، ریا یا شہرت کی طلب آئے گی وہ معصیت اور اسراف بن جائے گی۔ اپنے گھر میں وہ کام کیا کرو جو آنحضرت ﷺ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ اونٹ کو گھاس ڈالتے، اسے اپنے ہاتھ سے باندھتے، گھر میں جھاڑو دیتے، دودھ نکالتے، جوتا ٹانکتے، کپڑے میں پیوند لگاتے، اپنے خادم کے ساتھ کھانا کھاتے، اگر وہ چکی پیستے پیستے تھک جاتا تو خود چکی پیستے۔ بازار سے سامان خریدتے، ہاتھ میں لے کر یا دامن میں رکھ کر لانے میں آپ حیاء نہ فرماتے۔ آپ امیر و غریب اور صغیر و کبیر سب سے مصافحہ فرماتے، جو بھی راہ میں آپ کے سامنے آتا خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، کالا ہوتا یا سرخ، آزاد ہوتا یا غلام، آپ اسے سلام کرنے میں پہل فرماتے۔ گھر اور باہر کے لئے آپ کے پاس الگ لباس نہیں تھا۔ جو لباس گھر میں پہنتے وہی لباس پہن کر باہر تشریف لے جاتے۔ اگر کوئی شخص آپ کی دعوت کرتا تو آپ اس کی دعوت قبول کرنے سے نہ شرماتے خواہ وہ پراگندہ حال اور غبار آلود ہی کیوں نہ ہوتا۔ دعوت میں جو کھانا آپ کے سامنے پیش کیا جاتا آپ اس کی مذمت نہ فرماتے اگرچہ سڑا ہوا چھوارا ہی کیوں نہ رکھ دیا جاتا۔ دن کا بچا ہوا کھانا رات کے لئے اور رات کا بچا ہوا کھانا

دن کے لئے اُٹھا نہ رکھتے۔ آپ کے نظام میں سہولت تھی۔ آپ نرم خو، شریف طبع، ملنسار، کشادہ جبین اور خندہ رو انسان تھے۔ آپ صرف مسکراہٹ پر اکتفا فرماتے، قہقہہ نہ لگاتے، غمزدہ ہوتے تو تُرش رو نہ ہوتے، شدت میں سختی سے کام نہ لیتے۔ آپ متواضع تھے مگر آپ کی تواضع اس حد تک نہیں تھی کہ ذلت کا گمان ہوتا۔ آپ سخی تھے، فضول خرچ نہ تھے اور ہر ذی قرابت اور مسلمان کے ساتھ صِلہ رحمی فرماتے۔ آپ کا دل نرم تھا۔ آپ ہمیشہ گردن جھکائے رہتے، شکم سیری کی وجہ سے کبھی بدہضمی کی نوبت نہ آتی۔ طمع آپ کو چھو کر بھی نہ گزرا تھا۔ حضرت ابو سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو کچھ میں نے ابو سعید الخدریؓ سے سنا تھا وہ من و عن ان کے گوش گزار کیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ابو سعیدؓ نے ایک حرف بھی غلط نہیں کہا۔ البتہ انھوں نے تمہیں یہ نہیں بتلایا کہ آپ ﷺ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور نہ کبھی کسی سے شکوہ کیا۔ آپ کو مالداری کے مقابلے میں فاقہ زیادہ پسند تھا، اگر کبھی بھوکا سونا پڑتا تو یہ بات آپ کے روزہ رکھنے میں مانع نہ بنتی۔ اگر آپ چاہتے تو اپنے رب سے زمین کے خزانے مانگ لیتے، دنیا کی ہر عیش اور راحت آپ کو میسّر ہوتی۔ اکثر میں آپ کو بھوکا دیکھ کر روتی اور آپ ﷺ کے بطن مبارک پر ہاتھ پھیر کر کہتی کہ آپ پر میری جان قربان ہو دنیا سے اتنا نفع تو لے لیجئے کہ جو آپ کی غذا کیلئے کافی ہو اور آپ بھوکے نہ رہیں۔ آپ ﷺ فرماتے۔ ’’اے عائشہ! میرے اولو العزم برادر انبیاء نے اس سے بھی زیادہ سختیاں برداشت کیں اور اسی حالت پر انھوں نے دنیا سے رختِ سفر باندھا۔ یہ لوگ جب اللہ کے سامنے پہنچے تو ان کی بے حد تکریم ہوئی اور بڑا اجر و ثواب عطا ہوا۔ مجھے شرم آتی ہے کہ کہیں میں فارغ البال زندگی کی خاطر ان سے پیچھے نہ رہ جاؤں۔ مجھے یہ بات زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے کہ اپنے دوستوں اور بھائیوں سے ملوں۔‘‘ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس واقعہ کو ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ آپ نے انتقال فرمایا۔

(احیاء العلوم جلد سوم ص ۵۲۷۔۵۲۸)

☆☆☆☆☆☆☆

ملفوظاتِ شیخ ﴿ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہ﴾ (قسط۔۵۴)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

Paid Agent and Innocent Idiot:

فرمایا کہ کوئی بھی دین کا کام کرنے والا آدمی جب خوفِ خدا، اصلاحِ اعمال اور فکرِ آخرت کی بجائے اختلافی موضوعوں کو چھیڑ رہا ہو تو سمجھ جائیں کہ یہ کفار کا خریدا ہوا نمائندہ (Paid Agent) یا سادہ لوح احمق (Innocent Idiot) نمائندہ ہے جس کو کوئی پیسے لیا ہوا آدمی استعمال کر رہا ہے۔ ایک آدمی مسلمان ہوا، محمد حسین بٹالوی اُس کا نام تھا، بڑا محنتی تھا۔ اس نے تفسیر پڑھی، حدیث پڑھی، جب فقہ کو پڑھنے لگا تو فقہ مشکل تھا، اُس میں پریشان (Confuse) ہو گیا۔ اپنی اس پریشانی کے بارے میں بولنے لگا۔ انگریزوں کی حکومت تھی ان کو اندازہ ہوا کہ یہ آدمی تو اچھا خاصا اختلاف پیدا کرسکتا ہے۔ آدمی مخلص تھا ایجنٹ نہیں تھا۔ ایسے حالات اُسے مہیا کیے کہ اُس نے اچھا خاصا اختلاف پیدا کر دیا۔ آخری عمر میں محمد حسین بٹالوی کو فقہ کا فہم پیدا ہوا، تقلید نہ کرنے کی حسرت ہوئی لیکن پھر کچھ نہ کرسکا کیونکہ اُس نے اہلِ حدیث کا ایک طبقہ کھڑا کر دیا تھا۔ ایک دفعہ خیبر میڈیکل کالج کے ایک اہلِ حدیث سپرنٹنڈنٹ نے میرے سامنے امام ابوحنیفہؒ کو بُرا کہا۔ میں نے کہا: اے فلانے! اگر تیری جگہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب ہوتے (جو اہلِ حدیث کے بڑے عالم گزرے ہیں) تو وہ کبھی یہ بات نہ کرتے جو تُو نے کہی ہے۔ جب میں نے یہ بات کہی تو اُس کا سر جھک گیا اور پھر بات نہ کرسکا۔ واقعی ثناء اللہ امرتسری صاحب اور لاہور کا اہلِ حدیث کا غزنوی خاندان اپنے مسلک پر چلتے ہوئے دوسروں کو بُرا بھلا کہنے سے گریز کرتے تھے۔

توحید:

فرمایا کہ توحید اور شرک کی بحثیں تو علماء نے کتابوں میں تفصیل سے کی ہوئی ہیں۔ ہمارے سلسلے میں توحید کے بارے میں ایک سادہ سی دیہاتی بحث ہے جو ہمیں تو بہت ہی زیادہ پسند ہے۔ وہ

کچھ یوں ہے کہ ایک توحید ہے معلوماتی یعنی اللہ کے غیر سے مرادیں نہ مانگو، اللہ کے غیر کے نام پر ذبیحہ نہ کرو، اللہ کے غیر کے نام کی منت نہ مانو، اللہ کے غیر کے آگے نہ جھکو، قبروں آستانوں کو کارساز نہ سمجھو، یہ بات تو بس معلوم ہو جائے تو اس پر عمل کرنا ہے۔ اس کے سمجھنے سیکھنے کے لئے زیادہ مشکلات کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک توحید تحصیلی ہے یعنی صرف معلومات سے کام نہیں بنتا بلکہ اُسے حاصل کرنا پڑتا ہے اور وہ ہے قلب کا اللہ کے غیر سے کٹ کٹا کر چھٹ چھٹا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہو جانا۔

وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلاً **(مزمل: ۸)** (ترجمہ) اسی کا ہو جا سب سے ہٹ کر

اس کے نتیجے میں آدمی کے دِل سے غیر اللہ کا خوف اور مرعوبیت نکل جاتی ہے۔ مال و دولت، عہدہ کرسی، افسر وزیر، صدر فقیر سب محض اسباب نظر آتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اَمر کے آگے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے۔

؎ یہ اسباب ہیں دستِ قدرت میں یوں
قلم جس طرح دستِ کاتب میں ہو

سیکھنے کے بعد اس توحید کا برتنا ہوتا ہے۔ برتنے کا امتحان اُس وقت ہوتا ہے جب حق کو چھوڑ کر باطل کو اختیار کرنے کے حالات بن رہے ہوں۔ خطرات حق میں ہوں اور مفادات باطل میں ہوں۔ ایسے موقع پر مفادات کو روندتے ہوئے، کمرِ ہمت باندھتے ہوئے جب آدمی حق کے لئے ڈٹ جائے تو اب یوں کہیں گے کہ اس نے توحید کو برتا۔ سلسلے میں نوافل اور معمولات پر تو اتنی سختی نہیں ہے لیکن ایسے موقعوں پر ڈٹ جانے کی شدت سے ہدایت ہے۔

؎ تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لئے ہے — پر غیب سے سامانِ بقا میرے لئے ہے
کیا غم ہے اگر ساری خدائی ہو مخالف — کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے — یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

(مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ)

جو دانشور ہیں، سمجھدار ہیں اور اللہ نے انہیں فہم اور سمجھ دی ہوئی ہے، وہ لوگ اصلاحِ نفس، تعمیر شخصیت، اُمت کو سنوارنا، اُمت کو سنبھالنا وغیرہ، ان باتوں کو سمجھیں اور ان کو معاشرے میں زندہ کریں:

فرمایا کہ مسلمانوں کے ایک طبقے نے علمائے دیوبند پر کفر کا فتویٰ لگایا ہوا تھا اور اُن کے خلاف مقدمہ بھی دائر کیا ہوا تھا۔ انگریز جج جو تھا وہ بڑا ہوشیار تھا۔ اس نے سوچا کہ اُنھوں نے اِن پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے، اِن سے اُن پر کفر کا فتویٰ لگواؤ تاکہ سارے کافر ہوں۔ تو اس نے کہا کہ اِن لوگوں نے آپ کو کافر کہا ہے، جب کوئی مسلمان کو کافر کہہ دے تو خود کافر ہو جاتا ہے لہٰذا اب فتویٰ لگانے والے کافر ہو گئے۔ دیوبند والوں کی طرف سے پیش ہونے والے محقق عالم تھے۔ انہوں نے کہا نہیں یہ ہمیں کافر کہنے پر کافر نہیں ہوئے ہیں۔ جج نے پوچھا کیوں یہ حدیث میں نہیں آیا ہوا کہ جو مسلمان کو کافر کہتا ہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے؟ انہوں نے کہا بالکل آیا ہوا ہے حدیث میں کہ جو مسلمان کو کافر کہتا ہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ ہمیں کافر کہنے پر کافر نہیں ہوئے ہیں۔ جج بڑا حیران ہوا۔ پوچھا کہ وہ کیسے؟ آپ حدیث کے خلاف کہہ رہے ہیں۔ تو انہوں نے کہا اگر آدمی اس بات کو جانتا ہو کہ یہ کافر نہیں ہے اور پھر کافر کہہ رہا ہو اس پر کافر ہوتا ہے جبکہ یہ لوگ اخلاص سے ہمیں کافر سمجھتے ہوئے ہمیں کافر کہہ رہے ہیں لہٰذا ہمیں کافر کہنے سے یہ کافر نہیں ہوتے۔ جج بڑا حیران ہوا کہ اس طرح کے آدمی اُمت کو سنبھالا کرتے ہیں اور یہ پہلا گروہ، جس نے کفر کا فتویٰ لگایا ہوا ہے، اس طرح کے لوگ کلہاڑا لے کر خود اپنے پیر پر مار کر اپنے کو تباہ کرنے والے ہوتے ہیں۔

جس وقت مسلمان بیت المقدس کو لے رہے تھے تو عیسائیوں کے پادری جمع ہو کر مناظرہ کر رہے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے گدھے کا پیشاب پاک تھا یا ناپاک؟ اگر وہ گدھا زندہ ہوتا، کسی وقت پیشاب لگنے کا خطرہ ہوتا تو پھر مسئلہ بیان کرتے تو کوئی بات بھی تھی۔ اب وہ گدھا جب مر گیا ہے دُنیا سے چلا گیا ہے تو اس کے پیشاب کے ساتھ کیا۔ لیکن اتنے بے وقوف تھے ان کے پادری کہ

وہ اس پر مناظرہ کرنے بیٹھے ہوئے تھے اپنے گرجا میں اور مسلمانوں نے بیت القدس کو فتح کرلیا۔ اسی طرح جس وقت تاتاری بغداد کو فتح کررہے تھے پتا ہے اس وقت کیا بات تھی؟ اس وقت مسلمان علماء بیٹھے ہوئے مناظرہ کررہے تھے کہ کوّا حلال ہے کہ حرام ہے۔ اصلاحِ نفس، تعمیر شخصیت، اُمت کو سنوارنا، اُمت کو سنبھالنا، اس کو چھوڑ کر اس بات پر لگے ہوئے تھے۔ تم دانشور ہو سمجھدار ہو، اللہ نے تمہیں فہم دیا ہے سمجھ دی ہے، ان باتوں کو سمجھو اور اس بات کو معاشرے میں زندہ کرو۔ یہ ہے اصلاح تاکہ فساد کا خاتمہ ہو اور اصلاح ہو۔

شیخ مُرید کو نافرمانی پر بیعت سے نکال سکتا ہے:

فرمایا کہ اگر مُرید اور سالک اپنے شیخ کی نصیحت اور تربیت سے سرتابی کرے تو شیخ کو لازم ہے کہ اس کا بوجھ اپنے کندھوں سے اُتارتے ہوئے اس کو اپنی بیعت سے نکال دے جیسا کہ قطب العالم حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ العزیز نے اپنے ایک مرید مولانا صبغۃ اللہ صاحب کو ایک سیاسی پارٹی کے تعلق کی وجہ سے بیعت سے خارج کردیا تھا۔ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی اس تنبیہہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مولوی صبغۃ اللہ صاحب کو توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔

پہلے لوگ اپنی اصلاح کے لئے بیعت ہوتے تھے، تنقید، ڈانٹ ڈپٹ، بلکہ مار پیٹ سے بھی خوش ہوتے تھے اور اسے اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ آج کل بیعت ہونے کے بعد مُرید اپنا اکرام کرانے کی فکر میں ہوتے ہیں، تنقید کو محسوس (Mind) کرتے ہیں، ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ تو دُور کی باتیں ہیں۔ ہمارے بڑے حضرت صاحب جناب مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ تھے، ایک دفعہ فرمانے لگے کہ میں حضرت تھانویؒ کی مجلس میں چھت میں لگے ہوئے پنکھے کی رَسی کھینچ رہا تھا (بجلی سے پہلے چھت میں ایک لکڑی لٹک رہی ہوتی تھی جس کے ساتھ کپڑا لگا ہوتا تھا۔ یہ رَسی سے بندھی ہوتی تھی جسے ایک آدمی مجلس کو ہوا دینے کے لئے کھینچ رہا ہوتا تھا) ایک بزرگ عالم ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، میرا دھیان نہ رہا، اُن کے سر کی ٹوپی میرے پنکھے

سے لگ کر نیچے گر گئی۔ حضرتؒ نے فوراً فرمایا اسے خانقاہ سے نکال دو۔ حضرت کے فرمانے پر خدام فوراً اُس آدمی کو نکال باہر کیا کرتے تھے لہٰذا مجھے فوراً نکال دیا گیا۔ میں پاس ایک باغ میں چلا گیا اور ایسا چیخ چیخ کر رونے لگا کہ شامت ہوگئی۔ ایک ہندو نے خانقاہ میں آکر اطلاع دی کہ آپ کا ایک درویش اتنا رو رہا ہے کہ کہیں مر نہ جائے۔ اس پر ایک آدمی نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ حضرت! فقیر محمد نادم ہے اور معافی مانگ رہا ہے۔ حضرتؒ نے پوچھا کہ وہ معافی مانگ رہا ہے یا اُس کی جگہ تم معافی مانگ رہے ہو؟ آدمی نے عرض کیا کہ وہ معافی مانگ رہا ہے۔ اس کے بعد معاف فرمایا۔ جب تک آدمی اس بات کے لئے ذہنی طور پر تیار نہ ہو کہ بیعت تو اپنے اُوپر تنقید کرانے کے لئے کی جاتی ہے، اپنی ڈانٹ ڈپٹ کرانے کے لئے ہوتی ہے تو اس کو بیعت نہیں ہونا چاہئے۔

اگر اختلاف والوں کے ساتھ لگے تو تحریکی بن جاؤ گے۔ نہ اپنے کو فائدہ دو گے نہ اُمت کو فائدہ دے سکو گے بلکہ مسلمان کی نفرت، مسلمان کی عداوت اور مسلمان کو نقصان پہنچانے کا جذبہ دِل میں پیدا ہوگا:

فرمایا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا فلانا آدمی رشتے کی خاطر اہلِ حدیث ہوگیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس آدمی کے ایمان کے ختم اور سلب ہونے کا خطرہ ہے کیونکہ یہ مفاد کیلئے ہوا ہے۔ اگر اس کے دل میں یہ بات آئی ہوئی ہوتی کہ یہ زیادہ ٹھیک ہے، یہ زیادہ سنت ہے، زیادہ اللہ کی رضا اس میں ہے اور اس کو اختیار کیا ہوتا تو پھر پرواہ نہیں تھی لیکن اس نے مفاد کیلئے اختیار کیا ہے۔ ایک اور بات بھی میں آپ کو بتادوں کہ دِین پر کبھی پیسے لے کر کام نہ کریں۔ میری طرح مولوی کو بڑی بڑی پیشکشیں (offers) آتی ہیں۔ ہزاروں لاکھوں میں نہیں بلکہ کروڑوں میں آتی ہیں کہ ہماری ترتیب کو اگر لے کے چلو تو ہم بھی تمہیں منہ مانگی قیمت دیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ ہم تو خوار طریقے سے جو بزرگوں نے ہمیں سمجھایا ہے اسی پر چلیں گے اور اللہ کی ذات

سے اس بات پر پُختہ یقین ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہماری کسی ضرورت کو کبھی نہیں روکا، ہر ضرورت کو اللہ نے وقت پر پورا کیا ہے۔لہٰذا ان اختلافات میں کبھی نہ پڑیں۔ کثرتِ ذکر کی طرف آئیں، نوافل کی طرف آئیں، نماز کی طرف آئیں، اپنی اصلاح کی طرف آئیں۔ اعمال کا پابند کرنے والی کتابیں ہیں مثلاً حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی فضائلِ نماز کو پڑھیں، فضائلِ ذِکر کو پڑھیں، فضائلِ قرآن کو پڑھیں، اصلاحِ نفس کی طرف متوجہ ہوں۔ تنبیہہ الغافلین لکھی ہے علامہ فقیہہ ابولیث ثمرقندیؒ نے تا کہ لوگ پڑھیں اور ان کے اندر اللہ کا ڈر خوف پیدا ہو اور عمل پر آئیں۔ امام نوویؒ کی کتاب ریاض الصالحین کو پڑھیں، فضائلِ اعمال کا بہترین مجموعہ اور فکر پیدا کرنے والی کتاب ہے۔فتوح الغیب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بیانات کا مجموعہ ہے، قرآن وحدیث کی تشریح ہے، جس سے اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے، اللہ کا ڈر پیدا ہوتا ہے، اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے، ان کو پڑھنے کے بعد آپ کا عمل دُرست ہوگا اور اگر اختلاف والوں کے ساتھ لگے تو تحریکی بن جاؤ گے۔ نہ اپنے کو فائدہ دو گے نہ اُمت کو فائدہ دے سکو گے بلکہ مسلمان کی نفرت، مسلمان کی عداوت اور مسلمان کو نقصان پہنچانے کا جذبہ دل میں پیدا ہوگا۔

صوابی کے علاقے کے کچھ اشاعتی بہت تنگ کر رہے تھے تو ہم نے ایک عالم کو متعین کر کے اُن کے لئے کتاب لکھوائی۔اس نے زبردست تحقیقی کتاب لکھی۔ کتاب جب ان لوگوں کے پاس گئی تو انہوں نے بجائے دلائل سے جواب دینے کے کہا کہ اس کے بارے میں شکایت کرو تا کہ اس کو نوکری سے نکالا جائے۔ میں نے کہا یہ وہ نفسانی اور فسادی ترتیب ہے جس پر وہ چل رہے ہیں کیونکہ ان کو اصلاحِ نفس حاصل نہیں ہے۔ جب آپ نے دلائل کے ساتھ بات کی تھی تو آپ کی بات کا دلائل سے جواب دیتے، یہ تو دین کی تشریح تھی اور اس کے مقابلے میں یہ آپ کو دُنیاوی نقصان پہنچانے کے پیچھے پڑ رہے ہیں، یہ تو نفس کے حسد کے جذبے کے تحت استعمال ہو رہے ہیں کیونکہ ان کو اصلاحِ نفس حاصل نہیں ہے۔تو سچ بات ہے ساری دنیا میں اسلام پھیل جائے اور میری اصلاح

نہیں ہوئی ہے تو کیا حاصل ہوا کچھ بھی تو حاصل نہیں ہوا اور خدانخواستہ ساری دنیا جہنم میں چلی جائے لیکن ہم نے اپنی اصلاح کی ہو تو مقصد تو حاصل ہو گیا۔ لہٰذا اس بات کو یاد رکھیں کہ اختلافی باتوں کو اشتہاروں کی شکل میں، کتابوں کی شکل میں اور مجمعوں کے سامنے کھڑے ہو کر بیان کرنا اور اس پر گروہوں میں تقسیم کرنا اور ایک سے دوسرے کو لڑانا، یہ یہودی اور معتزلہ کی ترتیب ہے، کوئی آدمی بھی اس طرح استعمال ہو رہا ہو سمجھ جائیں کہ یہ اپنی بے وقوفی کی وجہ سے یا بد باطنی کی وجہ سے پیسے لے کر کفر والوں کی ترتیب پر استعمال ہو رہا ہے۔ ہمیشہ وہ گروہ جو پھیل نہ رہا ہو اور تھوڑا ہو اس کو اس طرح کی فسادی باتیں کرنی پڑتی ہیں۔ ایک کے خلاف بولنا دوسرے کے خلاف بولنا، ایک کے خلاف لکھنا دوسرے کے خلاف لکھنا، ان کا خیال ہوتا ہے کہ کہیں ایسے ہماری پذیرائی ہو جائے گی۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

(صفحہ نمبر ۶۱ سے آگے)

اس نے طبیب کو معائنہ کے لئے بلایا تو اس نے گوشت لے کر اسے دھاگے سے باندھ کر اس کے حلق میں ڈال کر کچھ دیر چھوڑ دیا پھر اسے نکالا تو اس کے ساتھ بہت سے کیڑے چمٹے ہوئے تھے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر سردی مسلط کر دی چنانچہ اس کے ارد گرد آگ سے بھری انگیٹھیاں رکھی جاتی تھیں۔ کھال تک جل جاتی مگر اسے محسوس نہ ہوتا۔ تنگ آ کر اس نے حضرت حسن بصریؒ کو خط لکھا کہ اللہ سے دعا کریں کہ وہ جلد میری روح قبض کر لے اور میرے عذاب کو لمبا نہ کرے۔

حجاج پندرہ دن اس بیماری کی حالت میں رہا اور ۹۵ھ میں ۵۴ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اس کی موت واسط شہر میں ہوئی اور وہیں اسے دفن کیا گیا۔ اس کی قبر مٹا دی گئی اور اس پر پانی چھوڑ دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اللہ تعالیٰ کے مقربین کی توہین کرنے والا عبرت انگیز انجام سے دوچار ہوتا ہے (آخری قسط)

(انجینئر نجیب الدین محمد صاحب)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ گستاخی کرنے والے کا انجام

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف یورش شروع ہوئی تو ایک دن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے تو ایک شخص غفاری اٹھا اور آپ کا عصا، جو خطبہ کے دوران آپ نے پکڑ رکھا تھا، آپ سے چھینا اور سب کے سامنے انتہائی توہین آمیز انداز میں اپنے گھٹنے پر رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دئے۔ اللہ کی شان کہ ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ اس کا گھٹنا ناکارہ ہو گیا اور اسی تکلیف میں بالآخر وہ مر گیا۔

(سنن سعید بن سکن)

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو گالیاں دینے والے کا انجام

حضرت قیس رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک مجمع میں جس میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینی شروع کر دیں، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس کے بدتہذیبانہ انداز کو دیکھ کر دعا فرمائی۔

''یا اللہ! یہ شخص آپ کے ایک ولی کو گالیاں دے رہا ہے۔ اس مجمع کے منتشر ہونے سے پہلے آپ اپنی قدرت دکھا دیجئے۔''

قیس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بخدا! ہم وہاں سے اٹھے بھی نہ تھے کہ اس کی سواری (اونٹ) نے اسے کھوپڑی سے پکڑ کر زمین پر دے مارا، حتیٰ کہ اس کا بھیجا پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

(مستدرک حاکم)

ایک عجیب واقعہ

امام مستغفری نے اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں بیان کیا ہے کہ ایک نہایت نیک آدمی نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور تمام لوگ حساب کے لئے بلائے جارہے ہیں۔ میں پل صراط کے قریب پہنچا اور گزر گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر کھڑے ہیں اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم لوگوں کو آب کوثر پلا رہے ہیں میں نے بھی مانگا۔ آپ دونوں نے انکار کر دیا۔ پس میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ انہوں نے مجھے آب کوثر نہیں پلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تیرا ایک ہمسایہ ہے جو علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتا ہے اور تو اس کو منع نہیں کرتا۔'' میں نے عرض کیا کہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کو روک سکوں۔ وہ قوی ہے مجھ کو مار ڈالے گا۔ اس پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چھری عنایت فرمائی کہ جا اُس کو اِس سے ذبح کر دے۔ میں نے خواب میں ہی اس کو ذبح کر ڈالا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے اس کو قتل کر ڈالا ہے۔ تب آپ ﷺ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کو پانی پلا دو۔ اس پر انہوں نے مجھے پانی کا پیالہ عنایت فرمایا۔ میں نے پیالہ ان سے لے لیا لیکن یاد نہیں کہ پانی پیا یا نہیں۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔ میں نہایت خوف زدہ تھا۔ میں نے جلدی سے وضو کیا اور نماز میں مشغول ہو گیا، پھر دن نکل آیا۔ میں نے لوگوں کو شور و غل مچاتے سنا کہ فلاں آدمی کو کوئی اس کے بستر پر مار کر چلا گیا ہے۔ حاکم کے پیادے آئے اور ہمسائیوں کو پکڑ کر لے گئے۔ میں نے دل میں کہا کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ یہ تو وہ خواب ہے جو میں نے دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو سچ کر دکھایا۔ میں جلدی سے اٹھا اور سارا ماجرا حاکم سے کہہ سنایا۔ حاکم نے خواب سن کر کہا کہ اللہ تعالیٰ اس کی جزا دے۔ اور میرے پڑوسیوں کو جن کو حاکم کے سپاہی پکڑ کر لائے تھے سب کو چھوڑ دیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ پر جھوٹا الزام لگانے والے کا انجام

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کوفہ

کے گونر تھے۔ کچھ لوگوں نے سازش کے تحت دربارِ خلافت میں آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف شکایتیں بھیجنا شروع کردیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک تحقیقاتی ٹیم کوفہ بھیجی جس نے کوفہ کی تمام مساجد میں جا جا کر معاملات کی تحقیق شروع کی لیکن کسی بھی جگہ سے کوئی ایک شکایت بھی درست ثابت نہیں ہوئی۔ صرف ایک مسجد میں ایک شخص ابو سعدہ نے الزام لگایا۔ ''بخدا! سعد تقسیم اموال میں انصاف سے کام لیتے ہیں اور نہ عدالتی فیصلوں میں انصاف کرتے ہیں۔ کفار کے خلاف جنگوں میں بھی نہیں نکلتے۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کی عمر دراز کیجئے۔ اس کے فقر کو بڑھا دیجئے اور اسے فتنوں میں مبتلا کردیجئے۔''

قصے کے راوی ابن عمر کہتے ہیں۔ میں نے اس شخص کو بہت بوڑھا دیکھا، بڑھاپے کی وجہ سے اس کی پلکیں بھی آنکھوں پر گری ہوئی تھی، فقر سے بدحال تھا اور راہ چلتی لڑکیوں کو چھیڑتا رہتا تھا۔ جب اس سے پوچھتے کہ کیا حالت ہو رہی ہے تو کہتا۔ ''میں فتنے میں مبتلا ہوں، مجھے سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا لگ گئی ہے۔'' (بخاری۔ مسلم۔ بیہقی)

بالآخر وہ بوڑھا مختار کذاب کے فتنے میں مارا گیا۔ (ابنِ عساکر)

قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کا انجام

مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ 'شہیدِ کربلا' میں قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کے عبرتناک انجام کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔

جس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیاس سے مجبور ہو کر دریائے فرات پر پہنچے اور پانی پینا چاہتے تھے کہ کمبخت حصین بن نمیر نے تیر مارا جو آپ کے دہن مبارک پر لگا، اس وقت آپ کی زبان سے بے ساختہ بددعا نکلی۔ ''یا اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے فرزند کے ساتھ جو کچھ کیا جا رہا ہے میں اس کا شکوہ آپ ہی سے کرتا ہوں۔ یا اللہ! ان کو چن چن کر قتل کر، ان کے ٹکڑے ٹکڑے فرما دے، ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔''

اول تو ایسے مظلوم کی بد دعا پھر سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کی قبولیت میں کیا شبہ تھا۔ دعا قبول ہوگئی اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ایک ایک کر کے بری طرح مارے گئے۔ امام زُہریؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ قتل حسین رضی اللہ عنہ میں شریک تھے ان میں سے ایک بھی نہیں بچا جس کو آخرت سے پہلے دنیا میں سزا نہ ملی ہو، کوئی قتل کیا گیا، کسی کا چہرہ سیاہ ہوگیا یا مسخ ہوگیا، یا چند روز میں ملک و سلطنت چھن گئے اور ظاہر ہے کہ یہ ان کے اعمال کی سزا نہیں بلکہ اس کا ایک نمونہ ہے جو لوگوں کی عبرت کیلئے دنیا میں دکھا دیا گیا۔

(۱) ابن جوزیؒ نے روایت کی ہے کہ ایک بوڑھا آدمی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھا۔ وہ دفعتاً نابینا ہوگیا۔ لوگوں نے سبب پوچھا، اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آستین چڑھائے ہوئے ہیں، ہاتھ میں تلوار ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چمڑے کا وہ فرش ہے جس پر کسی کو قتل کیا جاتا ہے اور اس پر قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ میں سے دس آدمیوں کی لاشیں ذبح کی ہوئی ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ڈانٹا اور خونِ حسین رضی اللہ عنہ کی ایک سلائی میری آنکھوں میں لگا دی، میں صبح اٹھا تو اندھا تھا۔

(۲) نیز ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا اس کے بعد دیکھا گیا کہ اس کا منہ کالا تارکول ہوگیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم سارے عرب میں خوش رو آدمی تھے، تمہیں کیا ہوگیا؟ اس نے کہا جس روز سے میں نے یہ سر گھوڑے کی گردن میں لٹکایا جب ذرا سوتا ہوں، دو آدمی میرے بازو پکڑتے ہیں اور مجھے ایک دہکتی ہوئی آگ پر لے جاتے ہیں اور اس میں ڈال دیتے ہیں۔ اسی حالت میں چند روز بعد مر گیا۔

(۳) ابن جوزیؒ نے سدّی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کی دعوت کی۔ مجلس میں یہ ذکر چلا کہ حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں جو بھی شریک ہوا، اس کو دنیا میں بھی جلد سزا مل گئی۔ اس شخص نے کہا کہ بالکل غلط ہے۔ میں خود ان کے قتل میں شریک تھا، میرا کچھ بھی نہیں بگڑا۔ یہ شخص مجلس سے

اُٹھ کر گھر گیا۔ جاتے ہی چراغ کی بتی درست کرتے ہوئے اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی اور وہیں جل بھن کر رہ گیا۔ سدّیؒ کہتے ہیں کہ میں نے خود اس کو صبح دیکھا تو کوئلہ ہو چکا تھا۔

(۴) جس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تیر مارا اور پانی نہیں پینے دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے ایسی پیاس مسلط کی کہ کسی طرح پیاس بجھتی نہ تھی۔ پانی کتنا ہی پی جائے پیاس سے تڑپتا رہتا تھا یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

(۵) شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کو بھی ایک دن چین نصیب نہ ہوا۔ تمام اسلامی صوبوں میں خونِ شہداء کا مطالبہ اور بغاوتیں شروع ہو گئیں۔ اس کی زندگی اس کے بعد دو سال آٹھ ماہ اور ایک روایت کے مطابق تین سال آٹھ ماہ سے زائد نہیں رہی۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو ذلیل کیا اور اسی ذلت کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔

(۶) قاتلان حسین رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کی آفاتِ ارضی وسماوی کا ایک سلسلہ تو تھا ہی، واقعہ شہادت کے پانچ سال بعد ۶۶ھ میں مختار نے قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کا ارادہ ظاہر کیا تو عام مسلمان اسکے ساتھ ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصے میں اس کو یہ قوت حاصل ہو گئی کہ کوفہ اور عراق پر اس کا تسلط ہو گیا۔ اس نے اعلان عام کر دیا کہ قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کے سوا سب کو امن دیا جاتا ہے اور قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کی تفتیش وتلاش پر فوری قوت خرچ کی اور ایک ایک کو گرفتار کر کے قتل کیا۔ اور ایک روز میں دو سو اڑتالیس آدمی اس جرم میں قتل کئے گئے کہ وہ قتل حسین رضی اللہ عنہ میں شریک تھے۔ اس کے بعد خاص لوگوں کی تلاش اور گرفتاری شروع ہوئی۔ عمرو بن حجاج زبیدی پیاس اور گرمی میں بھاگا۔ پیاس کی وجہ سے بیہوش ہو کر گر پڑا اور ذبح کر دیا گیا۔

شمر بن ذی الجوشن جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں سب سے زیادہ شقی اور سخت تھا، اس کو قتل کر کے لاش کتوں کے سامنے ڈال دی گئی۔ عبداللہ بن اسید جہنی، مالک بن بشیر بدی، حمل بن مالک کا محاصرہ کیا گیا۔ انہوں نے رحم کی درخواست کی۔ مختار نے کہا: ''ظالمو! تم نے

سبطِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم نہ کھایا، تم پر رحم کیسے کیا جائے؟'' سب کو قتل کیا گیا۔ مالک بن بشیر نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ٹوپی اٹھائی تھی۔ اس کے دونوں پیر قطع کر کے میدان میں ڈال دیا اور وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ عثمان بن خالد اور بشیر بن شمیط نے مسلم بن عقیلؓ کے قتل میں اعانت کی تھی۔ ان کو قتل کر کے جلا دیا گیا۔

عمرو بن سعد جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں لشکر کی کمان کر رہا تھا، اس کو قتل کر کے اس کا سر مختار کے سامنے لایا گیا اور مختار نے اس کے لڑکے حفص کو پہلے سے اپنے دربار میں بٹھا رکھا تھا۔ جب یہ سر مجلس میں آیا تو مختار نے حفص سے کہا تو جانتا ہے کہ یہ سر کس کا ہے؟ اس نے کہا ہاں اور اس کے بعد مجھے بھی اپنی زندگی پسند نہیں۔ اسکو بھی قتل کر دیا گیا۔ مختار نے کہا عمرو بن سعد کا قتل تو حسین رضی اللہ عنہ کے بدلے میں ہے اور حفص کا قتل علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے بدلے میں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ پھر بھی برابری نہیں ہوئی۔ اگر میں تین چوتھائی قریش کو بدلہ میں قتل کر دوں تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ایک انگلی کا بھی بدلہ نہیں ہوسکتا۔ حکیم بن طفیل جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تیر مارا تھا، اس کا بدن تیروں سے چھلنی کر دیا گیا۔ وہ اسی میں ہلاک ہوا۔

زید بن رفاد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بھتیجے، مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے صاجزادے حضرت عبداللہ کے تیر مارا جنہوں نے ہاتھ سے اپنی پیشانی چھپائی۔ تیر پیشانی پر لگا اور ہاتھ پیشانی پر بندھ گیا۔ زید پر اول تیر اور پتھر برسائے گئے۔ پھر زندہ جلا دیا گیا۔ سلام بن انس جس نے سر مبارک کاٹنے کا اقدام کیا تھا کوفہ سے بھاگ گیا اس کا گھر منہدم کر دیا گیا۔ قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کا یہ عبرتناک انجام معلوم کر کے بے ساختہ یہ آیت زبان پر آتی ہے۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

(ترجمہ) عذاب ایسا ہی ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے کاش وہ سمجھ لیتے۔

حجاج بن یوسف کا انجام

حجاج بن یوسف کے ہاتھوں ہزاروں اہل اللہ مظلومانہ قتل کیئے گئے۔خود حجاج کا انجام بھی اچھا نہیں ہوا۔سب سے آخری بزرگ جو اس کے ہاتھوں شہید ہوئے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہٗ ہیں۔ان کی شہادت سے پہلے حجاج کی ان سے گفتگو خاص عبرت انگیز ہے۔(حکایاتِ صحابہ میں دیکھی جاسکتی ہے)

حضرت سعید بن جبیرؒ کی شخصیت ایسی تھی کہ تمام اکابر تابعین اس واقعہ سے سخت متاثر ہوئے۔حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا:''خدایا! ثقیف کے فاسق (حجاج) سے اس کا انتقام لے لے۔ خدا کی قسم! اگر ساری روئے زمین کے باشندے بھی ان کے قتل میں شریک ہوتے تو خدا ان سب کو منہ کے بل دوزخ میں جھونک دیتا۔'' بہرحال حجاج کا انجام بڑا عبرت ناک ہوا۔حضرت سعید بن جبیرؒ نے شہادت کے وقت دعا کی تھی کہ خدایا! میرے قتل کے بعد اس (حجاج) کو کسی کے قتل پر قادر نہ کرنا چنانچہ ان کی شہادت کے چند دن بعد ہی حجاج دماغی امراض اور توہم میں مبتلا ہو کر بستر مرگ پر لیٹ گیا۔ بیماری کی حالت میں اس کو بیہوشی کے دورے ہوتے تھے۔غنودگی کی حالت میں اسے نظر آتا کہ ابن جبیرؒ اپنے کپڑے سمیٹتے ہوئے اس سے پوچھ رہے ہیں کہ دشمن خدا! تو نے مجھے کس جرم میں قتل کیا؟ حجاج گھبرا کر اٹھتا اور کہتا مجھے سعید سے کیا واسطہ؟ اسی مجنونانہ حالت میں ۹۵ھ میں مر گیا۔اس طرح ابن جبیرؒ کے قتل کے بعد اسے دوسرے آدمیوں کے قتل کا موقع نہ مل سکا۔

حجاج کی موت کے بعد اس کو ایک شخص نے خواب میں دیکھا۔پوچھا خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا ہر مقتول کے بدلہ میں مجھے ایک ایک مرتبہ قتل کیا گیا اور جبیر کے انتقام میں ۷۰ مرتبہ۔علامہ ابن خلکان نے اپنی کتاب ''وفیات الاعیان'' میں حجاج کے امراض الوفات کا ذکر کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ آخری زمانہ میں اسے پیٹ کے اندر خارش کی بیماری ہوگئی تھی۔

(باقی صفحہ نمبر ۶۵ پر)

سانحۂ ارتحال

مسلک دیوبند کے امین، عالم، مربی، استاذُالعلماء

حضرت مولانا علاؤ الدین نوّر اللّٰہ مرقدہٗ

(اظہارِعقیدت۔پروفیسر غلام ربانی انور صاحب۔ریٹائرڈ پرنسپل گورنمنٹ کالج لکی مروت)

یارب وہ ہستیاں اب کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

دارالعلوم مدرسہ نعمانیہ ڈیرہ اسماعیل خان شہر کے شیخ الحدیث، امام العلماء، سراج الاولیاء، جنید الزمان، مولانا، حافظ، الحاج، کامل بزرگ، یادگارِ اسلاف حضرت مولانا علاؤ الدین رحمتہ اللہ علیہ ۱۶ دسمبر ۲۰۱۳ء بمطابق ۱۲ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ کو اس دارِفانی سے کوچ کر گئے۔

کچھ ایسے بھی اُٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

عادتِ الٰہی یونہی ہے کہ جس شخص سے لوگوں کو عقیدت ہوتی ہے اُس کی زبان و قلم سے عام لوگوں کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔مبدأ فیض حضرت مولاناؒ سے عوام الناس، طلبہ اور بڑے بڑے علماء ایک سو چار سال (۱۰۴) کی عمر تک علم حاصل کرتے رہے اور اس چشمۂ علوم وفنون سے سیراب ہوتے رہے۔

اللھمہ ارفع درجة فی اعلیٰ علیین و اخلفه فی عقبه فی الغابرین اللھمه لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده آمین یا رب العالمین

موت اُس کی ہے افسوس کرے جس پہ زمانہ
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کیلئے

حضرت شیخ الحدیث برصغیر کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے۔آپ نے ساری زندگی درس و تدریس کیلئے وقف کی تھی۔ایک عالم باعمل، زُہدوعبادت کا پیکر، حدیثِ

نبوی ﷺ کی مستند کتاب صحیح البخاری کے ماہر، مفسرِ قرآن، صرف ونحو کے اُستاد اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

درکفے جام شریعت درکفے سندانِ عشق

ہر ہوس ناکے نداند جام وسندان باختن

سادگی، بے نیازی، دنیا سے بے رغبتی، طریقۂ تدریس ایسا کہ ایک ایک لفظ دل پر نقش ہو جاتا، حسنِ معاملگی، درس ہو یا جمعہ کی نماز یا عیدین کی نمازیں وقت کے پابند، برملا بلا خوف وخطر حق بات کہنے والے، اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتوں اور اوصاف سے نوازا تھا۔

آئین جواں مرداں حق گوئی وبے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی

دارالعلوم دیوبند سے تکمیل علوم کے بعد آپ نے اور آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا سراج الدین رحمتہ اللہ علیہ نے ڈیرہ اسماعیل خان جیسے ایک پس ماندہ علاقے میں علم کی روشنی پھیلائی۔ آپ کے شاگردوں اور فیض حاصل کرنے والوں کا احاطہ مشکل ہے۔ صرف پاکستان میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں آپ کے شاگرد اب خود اُستاد العلماء ہیں۔ ایسے پُر آشوب دور میں ایسے علمائے ربانیّین کی جدائی ملک وملت کیلئے بڑا خسارہ ہے۔

دنیا میں جو بھی آیا اس موت کا مزا چکھا لیکن بعض شخصیات ایسی بھی ہوتی ہیں کہ ان کی موت سے خلا پُر نہیں کیا جاسکتا۔ اُن کی دینی خدمات، شخصیت اور کردار کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آپ شیخ العرب والعجم حضرت اقدس مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ آپ نے ساری زندگی اِس شاگردی کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھا۔

لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے

اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

آپ نے ساری عمر اتباعِ سنت میں گزاری۔اپنے خالقِ حقیقی کی تابعداری کے اثرات آپ کے تمام خاندان پر پڑے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو سعادت منداولاد سے نوازا۔آپ کا سیاسی تعلق جمعیت علمائے اسلام سے رہا۔حضرت مولانا مفتی محمودؒ،حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ،حضرت شمس الحق افغانیؒ، حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ،حضرت مولانا خلیفہ غلام رسولؒ اور دیگر بہت سے علمائے دین مدرسہ نعمانیہ کے سالانہ جلسوں میں شریک ہوتے۔ان علماء کی تقاریر اور صحبت سے بہت سے لوگ استفادہ کرتے۔

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ

بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مے خانہ

حضرت مولانا نوراللہ مرقدہ کے علوم وفنون سے اوران کی خطابت سے دلوں میں ایمان کی حرارت پیدا ہوتی تھی۔اپنے فضائل وکمالات کیوجہ سے آپؒ مرجع خلائق تھے۔آپ کے چہرہ پر نورانیت اور پاکیزگی تھی۔خوش خلقی،تواضع وشرافت،بےنفسی واخلاق اور حلم ومروّت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

مٹی سمجھ کے دفن نہ کرنا کہ دوستو

یہ تو گنجینۂ علم وعرفاں ہے

آپ عشقِ رسول ﷺ کے جذبے سے سرشار تھے۔کئی بار عمرہ اور حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔پابندیٔ شریعت،عجز وانکساری،حکمت اور اکابرین کا احترام فرماتے تھے۔

حضرت مولاناؒ کو بہت سے مدارس اور مساجد کی سرپرستی حاصل تھی۔دن کو بارہ بجے کے بعد اپنی مسجد تشریف لاتے اور دو تین بجے تک ذکر وفکر میں مستغرق رہتے۔ایک دفعہ حضرت مولانا خلیفہ غلام رسولؒ خلیفہ قطب الاقطاب حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے فرمایا کہ میرے اُستادِ محترم مولانا علاؤالدینؒ کی اللہ کے سامنے گریہ وزاری دیکھنی ہو تو تہجد کے وقت مدرسہ کی مسجد میں آؤ اور دیکھو کہ وہ اپنی سفید داڑھی مبارک پکڑ کر اللہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ اے میرے اللہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں،

اپنے سفید بالوں کا واسطہ دیتا ہوں مجھے عذاب نہ کرنا۔ اتنا روتے کہ دیکھنے والوں کو رحم آجاتا۔آپ نے مدرسہ نعمانیہ کو خوب وسعت دی، دینی تعلیم و تدریس کو عام کی، مختلف شعبے قائم کئے۔آپ کی دینی خدمات کو سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں تھیں صورتیں کیا کیا کہ پنہاں ہوگئیں

ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ دنیا میں جو بھی آیا جانے کیلئے آیا۔ کتنے کتنے عظیم لوگ دنیا میں آتے رہے ہیں اور جاتے رہے۔ ہمارے اکابر کی پاک زندگیاں ہمارے لیے سبق آموز ہیں۔انھوں نے جو نمونے اور تعلیمات چھوڑیں ان پر عمل کرنا چاہیے۔ان کی عقیدت کو زندہ رکھنا چاہئے۔جس نصب العین کے ساتھ وہ وابستہ تھے ہم بھی اُس نصب العین سے وابستہ ہو جائیں۔اس لئے کہ ایک مسلمان کی زندگی کی کامیابی دین میں ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا فرمان ہے کہ" ہمارے حق پر ہونے کا فیصلہ ہمارے جنازے کریں گے"۔حضرت مولانا علاؤالدین نوراللہ مرقدہٗ کے سانحۂ ارتحال کی خبر تمام شہر میں اور آس پاس کے دیہاتوں میں جنگل آگ کی طرح پھیلی۔انکی نمازِ جنازہ میں ہزاروں کی تعداد میں اہل شہر نے شرکت۔ تبلیغی مرکز کے چاروں اطراف میں لوگوں کا اژدھام تھا۔تمام بازار بند ہوگئے۔ جنازے کے جلوس نے پانچ منٹ کی مسافت ایک گھنٹہ میں طے کی۔

"مَوتُ العَالِم مَوتُ العَالَم "کے مصداق ہر ایک آدمی آپ کے جنازے میں شامل ہونے کا متمنی تھا۔اُن کی نمازِ جنازہ معروف روحانی شخصیت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی نے پڑھائی۔ بہت سے علماء نے شرکت فرمائی۔اللہ رب العزت حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔آمین

دفترِ ہستی تھا زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

کلام علّامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

سفر کی منزل ہے دارِ دُنیا، ذرا تو اس کا خیال سا کر
سدا نہیں ہے یہ دیس تیرا، ضرور جانا ہے دِن نبھا کر

کبھی تأمل سے داہنے بائیں، آگے پیچھے کو دیکھ لینا
کدھر کو جاتے ہیں دوست پیارے' کہاں وہ رہتے ہیں یاں سے جا کر

وہ چل بسے سارے باری باری، یہ باقی خلقت بھی چل بسے گی
تو چشمِ عبرت سے دیکھ غافل، کبھی تو اپنی نظر اُٹھا کر

چلے ہی جاتے ہیں قافلے سب، یہاں کا ٹھہرا ہوا ہے یہ ڈھب
کسی کا آنا کسی کا جانا، کبھی ہنسا کر کبھی رُلا کر

کبھی نکل کر تو جنگلوں میں، خدا کی قدرت کا دیکھ جلوہ
کہیں ہے اونچا کہیں ہے نیچا، کہیں اندھیرا ہے جگمگا کر

کسی کا اقبال زور پر ہے، کسی پہ ادبار چھا رہا ہے
کوئی ہے آتا کما کما کر، کوئی ہے جاتا لُٹا لُٹا کر

کوئی ہے دُکھیا کوئی ہے سُکھیا، کوئی ہے خنداں کوئی ہے گریاں
یہ غمزدہ غم گٹھا گٹھا کر، وہ خوش ہے خوشیاں منا منا کر

غرض یہاں ہیں سب آتے جاتے، دن اپنے اپنے نبھاتے جاتے
نہیں ہے رہنا یہاں کسی کو، کہ کوچ اک دن ہے مٹ مٹا کر

اگر ہوں اعمال اپنے اچھے، بُری نہیں ہے یہ زندگانی
فرشتے اعمال نیک والے، نکال لیں گے بچا بچا کر

نماز پڑھنا، قیام کرنا، رکوع کرنا، سجود کرنا
کبھی کھڑے ہو کے گاہ جُھک کر، زمین پہ ماتھا ٹِکا ٹِکا کر